تاجدارِ وفا

عباسؑ ابنِ علیؑ

علامہ سید رضی جعفر نقوی

تاجدارِ وفا عباسؑ ابنِ علیؑ

علامہ سید رضی جعفر نقوی

عصمہ پبلیکیشنز کی فہرست کتب

پی۔او باکس نمبر۔ 18168 کراچی 74700 پاکستان
Phone: 4134753

Rate	Name of Books	Rate	Name of Books	Rate	Name of Books
	[illegible]		[illegible]		[illegible]
150/-	امام حسین	60/-	مولا علی	300/-	قرآن مجید ترجمہ و تفسیر
100/-	شہر بانو	60/-	مولا حسن	200/-	مطالعہ قرآن
100/-	معجزہ اور قرآن (عشرہ مجالس)	60/-	مولا حسین	270/-	نہج البلاغہ
		60/-	سید الساجدین	350/-	مفاتیح الجنان
		60/-	امام محمد باقر	200/-	مفاتیح الجنان انتخاب
		50/-	خطبات جناب فاطمہ	160/-	نقوش عصمت (چودہ ستارے)
	[illegible]	60/-	دستور حیات	150/-	قمر بنی ہاشم
100/-	مقامات مقدسہ		[illegible]	150/-	ابو طالب مومن قریش
300/-	سرچشمہ ہدایت	250/-	علی مولا	150/-	امام جعفر صادق
100/-	واجد علی شاہ کی شاعری اور مرثیے	100/-	زینب بنت علی	60/-	فدک تاریخ کی روشنی میں
200/-	مولا علی کے پچیس سال مدینہ میں	100/-	علمدار کربلا	60/-	تجلی
	[illegible]	100/-	جنگ جمل	40/-	کربلا
50/-	وظائف الصالحین جلد دوم	100/-	تاریخ کربلا	100/-	خلافت و امامت
50/-	وظائف الصالحین سوم	100/-	اسلام کی نامور خواتین	50/-	علم رجال
50/-	جنات و شیاطین	100/-	ہمارا آخری امام	200/-	صحیفۂ کاملہ
50/-	فرشتے	130/-	علی نامہ	100/-	صحیفۂ زہرا
	[illegible]	60/-	بنی ہاشم کے بچے کربلا میں	40/-	گوہر یگانہ
300/-	نہج الاسرار	60/-	سکینہ سکینہ ہے	50/-	تحفۂ رضویہ
100/-	تفسیر کربلا (فروغ کاظمی)	50/-	کربلا کا تنہا شیعہ	150/-	اعمال رمضان
60/-	نجات (عشرہ مجالس)	100/-	مولا علی کے فیصلے		[illegible]
60/-	غدیر سے کربلا تک (عشرہ مجالس)	100/-	مولا علی کی جنگیں	150/-	مکمل مجالس
60/-	سائنس اور علمائے اسلام (عشرہ مجالس)		[illegible]	100/-	کربلا شناسی
130/-	مستحب نمازیں	100/-	علی مولا کے معجزات	100/-	خلق عظیم
160/-	وظائف الابرار	100/-	مولا عباس کے معجزات	100/-	رسالت النبی
		50/-	احادیث رسول اللہ	100/-	توحید
	[illegible]	50/-	مولا علی کے اقوال	120/-	حسین منی
5/-	جناب سیدہ کی کہانی			100/-	امام حسین
20/-	۱۴ معجزے		[illegible]	50/-	عرفان رسالت
60/-	مجموعۂ وظائف	150/-	انتخاب بست جلد اول	50/-	اسلام دین عقیدہ و عمل
150/-	گوہر یگانہ	200/-	انتخاب بست جلد دوم	50/-	عقیدہ و جہاد

افتخار بک ڈپو اسلام پورہ، لاہور۔ فون: 7224812
مکتبہ الرضا اردو بازار لاہور۔ فون: 7223689
محمد علی بک ڈپو G9/2 اسلام آباد موبائل: 0333-5224572
حسن علی بک ڈپو کھارادر، کراچی۔ فون: 2433055
مکتبہ علویہ، رضویہ امام بارگاہ، کراچی۔ فون: 6686907

(۱۱۰/ ۷۸۶)

مولائے کائنات

ابوالائمہ حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام

کے اقوال

کی مُناجاتوں میں سے ایک مُناجات

اِلٰهِیْ کَفیٰ بِیْ عِزًّا اَنْ اَکُوْنَ لَكَ عَبْدًا وَکَفیٰ
بِیْ فَخْرًا اَنْ تَکُوْنَ لِیْ رَبًّا اَنْتَ کَمَا اُحِبُّ
فَاجْعَلْنِیْ کَمَا تُحِبُّ

میرے اللہ میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں
اور میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ تُو میرا پروردگار ہے۔ تو ویسا ہی
ہے جیسا میں چاہتا ہوں، پس تُو مجھ کو ویسا بنالے جیسا تُو چاہتا ہے۔

تاجدارِ وفا

تالیف

حجۃ الاسلام علامہ سید رضی جعفر نقوی صاحب دام ظلہ

Scanned for our children now living abroad.
Talibe Dua
S. Nazar Abbas
24.7.2019

عصمہ پبلیکیشنز
پی-او باکس نمبر:- 18168 کراچی 74700 پاکستان

نامِ کتاب	:	تاجدارِ وفا
تحریر	:	مرحوم علامہ سید [illegible] جعفر نقوی صاحب
ناشر	:	عصمہ پبلیکیشنز کراچی
تعدادِ اشاعت	:	500
تاریخِ اشاعت	:	اگست 2005ء
طباعت	:	عاصم پرنٹنگ ناظم آباد نمبر 2 کراچی
سیریٹیکل ایڈیشن	:	پہلا ایڈیشن
ھدیہ	:	60 روپے
مشیرِ قانون	:	پروفیسر سید سبطِ جعفر زیدی ایڈووکیٹ
		جناب شبیر رضوی ایڈووکیٹ (ہائی کورٹ)
سرِ ورق (ٹائیٹل ڈیزائننگ)	:	سید امتیاز عباس

افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ کرشن نگر لاہور
مکتبہ الرضا۔ [illegible] میاں مارکیٹ، اردو بازار لاہور
کریم [illegible] سنٹر اردو بازار لاہور
منہاج الصالحین غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور
مکتبہ الحسین [illegible] ابدالی روڈ ملتان
محمد علی بک ڈپو۔ G-9/2 کراچی کمپنی اسلام آباد
سید محمد ثقلین کاظمی جی 6/2 اسلام آباد
سودے بکس لائبریری اینڈ اسٹیشنرز سکردو، بلتستان
عباس بک ایجنسی رستم نگر لکھنؤ۔

حسن علی بک ڈپو۔ کھارادر کراچی
محمد علی بک ڈپو برنس روڈ، کراچی
اسلامک بک اینڈ سی ڈی سنٹر برنس روڈ۔ کراچی
جمیل تبرکات سنٹر برنس روڈ، کراچی
احمد تبرکات سنٹر انچولی، کراچی
رحمت اللہ بک ایجنسی۔ کھارادر کراچی
محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ، کراچی
خراسان بک سنٹر برنس روڈ، کراچی
احمد بک ڈپو۔ رضویہ سوسائٹی، کراچی
مکتبہ علویہ مرکز تبرکات وظائف رضویہ سوسائٹی کراچی

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام والتحیۃ والاکرام علیٰ سیدنا ونبینا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین واللعنۃ علیٰ اعدائہم اجمعین

اما بعد

یہ بات ہم سب کے لئے انتہائی سعادت کی ہے کہ مالکِ دو جہاں نے ہمیں یہ شرف عطا کیا کہ:

اس سال ([illegible] ہجری میں) ہم لوگوں نے "تاجدارِ وفا" قمرِ بنی ہاشم، حضرت **عباس علمدار** علیہ السلام کا چہاردہ سالہ جشنِ ولادت منایا۔

●

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام، جن کے بارے میں شاعر نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

ئودئے شجاعت کی ضیاء عباس
شیرِ حیدر فخرِ کربلا عباس
جس میں خیبر کشا کا جلوہ ہے
وہ شجاعت کا آئینہ عباس

جن کے بارے میں برصغیر کی ایک ممتاز مذہبی شخصیت نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

"عباس!۔۔ جن کیلئے حضرت امیرالمومنینؑ نے جناب عقیل سے فرمایا تھا:

"بھائی عقیل۔۔ ہم ایسے خاندان میں شادی کرنا چاہتے ہیں جس سے ایسا شجاع بیٹا پیدا ہو، جو وقتِ مصیبت میرے حسینؑ کے کام آئے۔

جناب عقیل نے قبیلہ تلاش کیا، اور جنابِ اُمّ البنینؑ سے عقد ہوا۔

جب عقد کے بعد، جنابِ اُمّ البنینؑ حضرت علیؑ کے گھر آئیں، تو آتے ہی جھک کے چوکھٹ کو بوسہ دیا۔

آج کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم علَم کو کیوں چومتے ہو؟ تم امام بارگاہ کی چوکھٹ کو کیوں چومتے ہو؟

ہم سے نہ پوچھو۔۔ جنابِ اُمّ البنینؑ سے پوچھو۔

امیرالمومنینؑ کی زوجہ بن کے آئی تھیں۔۔ زوجہ گھر کی مالکہ ہوتی ہے (گھر کی چوکھٹ کو) کیوں چوما۔۔؟

لوگوں نے بڑھ کر کہا: اُمّ البنینؑ!۔ آپ حضرت علیؑ کی زوجہ کی حیثیت سے آئی ہیں... آپ اس گھر کی مالکہ ہیں ۔۔چوکھٹ کیوں چومتی ہیں۔۔؟

کہا:۔ میں اس گھر کی مالکہ کہاں سے ہو گئی ۔۔ یہ بی بی سیدہؑ کی ڈیوڑھی ہے"

"جب ماں ایسی ہوتی ہے تو بیٹا عباسؑ سا ہوتا ہے۔"[1]

●

اور بقول استادِ معظم:

(امیرالمومنینؑ کیلئے جنابِ اُمّ البنینؑ کا انتخاب) ۔۔ یہ انتخاب عقیل کا نہ تھا، (بلکہ درحقیقت) یہ قدرت چُن رہی تھی حسینؑ کیلئے علمدار کو۔

---

[1] مودّت اہلبیت، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی

زبان عقیل کی تھی۔۔۔ ارادہ تھا قدرت کا۔

ایسی بی بی کو چنا۔۔ جہاں خاندان میں صرف شجاعت ہی نہ تھی، بلکہ وفا کا پیکر۔ محبت کی تصویر!

ایسی بی بی کہ... جنھوں نے کبھی خود کو حسنینؑ کی) ماں نہیں کہا بلکہ ہمیشہ (اپنے آپ کو) جناب فاطمہ زہراؑ کی کنیز کہتی رہیں۔"

●

حقیقت یہ ہے کہ:

دنیا کے تمام ارباب وفا، صبح قیامت تک، اُس ذات والاصفات، اُس نیرِ تاباں، اُس کوکبِ دری، اُس میزانِ وفا کو سلامِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے، جس نے جراًت و استقامت، شجاعت و دلیری، علمداری و سقائی کی وہ تاریخ رقم کی ہے، جو سیکڑوں برس گذر جانے کے باوجود منفرد اور بے مثال ہے۔

قمرِ بنی ہاشم، سقائے حرم، علمدارِ حسینیؑ حضرت ابوالفضل العباسؑ بن امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام، جن کے بارے میں شاعر نے سچ کہا ہے کہ:

حضرت عباسؑ شاہِ لافتیٰ کے شیر ہیں
خیبر و خندق کے وہ، یہ کربلا کے شیر ہیں
کیوں نہ ہوں ہر جنگ میں وہ مثلِ حیدرؑ فتح یاب
وہ خدا کے شیر، یہ شیرِ خدا کے شیر ہیں

●

اور جیسا کہ صاحب معالی السبطین نے لکھا ہے کہ:

"بنی ہاشم میں ہر جوان اپنی مثال آپ تھا، کوئی مورخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ عونؑ و محمدؑ نے کسی مقام پر گھبراہٹ یا پریشانی کا اظہار کیا ہو یا (شہزادہ قاسمؑ)

یا شبیہِ پیغمبر جناب علی اکبرؑ ثابت قدم نہ رہے ہوں۔

بلکہ جو بھی اپنے قدموں پر چل کر میدان میں جا سکتا تھا، اس نے دشمن سے لوہا منوا لیا۔

تاریخ کربلا میں آغازِ جنگ سے اختتامِ جنگ تک کوئی بھی ایسا نہ ملے گا جسے دشمن نے آسانی سے شہید کر دیا ہو۔

تازہ دم دشمن کے اندر، ان تین روز کے پیاسوں میں سے کسی کے سامنے آکر اُس سے رو برو لڑنے کی ہمت نہیں تھی....

صبح سے عصرِ عاشور تک یزیدی افواج نے اطفالِ رسولؐ اور انصارِ حسینؑ کو پہلے تیروں سے زخمی کیا، پھر جب کسی کے بازو قلم کیے، کسی کے پیشانی پر تیر لگا، کسی کے سینے میں نیزہ توڑا، جب یہ بھوکے اور پیاسے افراد، زخموں سے چُور ہو کر زمین پر آتے تھے، تب اُن دشمنوں میں، ان کو قتل کرنے کی ہمت ہوتی تھی۔

مگر ان تمام شیرانِ بیشۂ شجاعت میں بھی جناب عباسؑ کا انداز سب سے جدا تھا۔

اے عباسِ ابنِ علیؑ، بحرِ کرم، ابرِ گہر بار
سقائے سکینہؑ، مرے عباسؑ علمدار

تو اہلِ مودت کیلئے شمعِ وفا ہے
شبیرؑ کے دشمن کیلئے موت کی تلوار

●

اور یہ تلوار وہ ہے جسے مولائے کائنات امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ نے خصوصی طور پر اپنے پروردگار سے حاصل کیا تھا۔

گویا حضرت عباسؑ علمدار کی دنیا میں تشریف آوری، ایک خاص تمنا، اور ایک منفرد آرزو کی آئینہ دار تھی۔

اسی لئے بعض معاصر صاحبانِ علم نے آپ کے وجودِ مبارک کو ایک خاص عقدی وجود۔ کی تعبیر سے یاد کیا ہے ــــ اور جیسا کہ خطیب عالم اسلام حضرت علامہ طالب جوہری صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی شدید علالت کے دوران حضرت ابو الفضل العباسؑ سے توسل کیا اور شفا پائی اور انشاء اللہ ایک کتاب بھی ان کی بارگاہ میں پیش کرنے کیلئے تحریر فرمائیں گے۔

●

مالک کا احسان ہے کہ اس نے اس سال ہم لوگوں کو ان کا چہاردہ صد سالہ جشن میلاد منانے کی سعادت عطا فرمائی اور اسی مناسبت سے یہ کتاب نذرِ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

تمنائے امیر المومنینؑ

قرآن مجید میں خالقِ دو جہاں نے اپنے متعدد مقبولوں کو اس تمنا کا ذکر کیا ہے جو ایک فرزندِ صالح کے بارے میں اُن کے دل میں پروان چڑھ رہی تھی۔

خلیلِ خدا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ قدرت ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار سے یہ درخواست کی کہ،

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ

(پروردگارا ــ مجھے نیک (اور صالح فرزند عطا فرما)

(سورہ مبارکہ صافات آیت)

کتنی عمدہ تعبیر ہے:

"صالح اور نیک فرزند۔"

اعتقاد اور ایمان کے لحاظ سے صالح۔

گفتار و عمل کے لحاظ سے صالح۔

سیرت و کردار میں صالح۔

اخلاق و مروت میں صالح۔

بندگانِ خدا کے ساتھ حسنِ سلوک میں صالح۔

باپ کے مشن کی تکمیل میں صالح۔

انفرادی و اجتماعی زندگی میں صالح۔

کارِ خیر کی نمود میں صالح۔

بنی نوعِ انسان کو راہِ ہدایت پر گامزن کرنے میں صالح۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ :

ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے بارے میں دعا مانگتے ہیں تو پروردگارِ عالم سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ صالحین میں سے ہوں۔

جیسا کہ قرآن مجید نے اُن کی دعا کو نقل کیا ہے کہ :

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔

(پروردگارا! مجھے علم و دانش مرحمت فرما، اور مجھے صالحین سے ملحق کر دے)

(سورہ مبارکہ الشعراء آیت ۸۳)

جبکہ سورہ مبارکہ صافات کی مذکورۃ الصدر آیت میں یہ درخواست کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ :

"مجھے اولادِ صالح مرحمت فرما۔"

کیونکہ "صالح" ایک جامع صفت ہے، جس میں ایک کامل انسان کی تمام صفات جمع ہوتی ہیں۔

پروردگارِ عالم نے جناب ابراہیمؑ کی دعا قبول کرتے ہوئے اعلان فرمایا :

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ۔

(ہم نے اُن کو، ایک بُردبار لڑکے کی بشارت دی)

(سورہ صافات آیت ۱۰۱)

لفظ "حلیم" کی تفسیر میں اربابِ فکر و دانش نے لکھا ہے کہ :

اس سے مراد ایسا شخص ہے جو توانائی ہوتے ہوئے بھی کسی کام میں اس کے وقت سے پہلے جلدی نہیں کرتا، اور مجرموں کو سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا۔ جو ایک حلیم روح کا مالک ہوتا ہے اور اپنے جذبات و احساسات پر کنٹرول رکھتا ہے۔

(تفسیر نمونہ ۱۹، ۱۰۰)

اور جناب راغب اصفہانی نے اپنی مشہور تالیف "مفردات القرآن" میں ـــ جسے قرآنی الفاظ کی تشریح کے سلسلے میں وثاقت و اعتماد کا درجہ حاصل ہے اس لفظ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ،

"حلم" کے معنی ہیں :

نفس و طبیعت پر ایسا کنٹرول رکھنا کہ غیظ و غضب کے موقع پر بھڑک نہ اٹھے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ :

"احلام" سے عقلیں مراد ہیں۔

اصل میں "حلم" کے معنی متانت کے ہیں، مگر چونکہ متانت بھی عقل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لئے حلم کا لفظ بول کر عقل مراد لیتے ہیں۔

"حَلَّمَهُ العقل" ـ عقل نے اسے بُردبار بنا دیا

"احلمت المرأۃ" ـ عورت نے حلیم و بردبار بچہ جنا۔

خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ارشادِ قدرت ہے :

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ۔

(بیشک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے، نرم دل، اور (خداوند عالم کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔

اور جناب اسمٰعیلؑ کے لئے جو ارشادِ قدرت ہوا کہ :

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ـ (ہم نے اُن کو ایک بُردبار لڑکے کی بشارت دی)

ہے کے معنی ہیں کہ:
"اس لڑکے میں قوت برداشت تھی"۔

ملاحظہ فرمائیں: مفردات القرآن ص ۶۰۰ ، ۲۶۰

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ:
لفظ "حلیم" — قرآن مجید میں پندرہ مرتبہ آیا ہے، اور یہ لفظ، زیادہ تر خداوندِ عالم کی صفت کے طور پر آیا ہے سوائے دو مواقع کے، جہاں یہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند کی صفت کے طور پر آیا ہے۔
اور ایک موقع پر، دوسروں کی زبان سے حضرت شعیبؑ کی صفت میں بیان ہوا ہے

(دیکھیے تفسیر نمونہ)

●

جس طرح خداوندِ عالم نے حضرت ابراہیمؑ کی اُس تمنا کا ذکر کیا ہے جو فرزند کے بارے میں اُن کے دل میں تھی، اسی طرح حضرت زکریاؑ کی اس آرزو کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے بارگاہِ معبود میں، اولاد کے سلسلے میں پیش کی تھی

ارشادِ قدرت ہے:
ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۝ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا

(ذکر ہے آپ کے پروردگار کی رحمت کا، اپنے بندے زکریاؑ پر۔
جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار سے، چپکے چپکے دعا کی۔

جب بڑھاپے سے سر (میں سفیدی) بھڑک اٹھی تھی۔
اے پروردگار! میں تجھ سے دعا کر کے بے نصیب نہیں رہا۔
بلاشبہ مجھے، اپنے (مرنے کے) بعد اپنے قرابت داروں کی طرف سے ڈر ہے۔
اور میری بیوی بانجھ ہے۔
اب تو ہی، مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا فرما۔
جو میرا بھی وارث ہو، اور یعقوب کی اولاد کا بھی ترکہ پائے۔
اور اسے پالنے والے، اسے پسندیدہ قرار دینا)۔

(سورہ مریم آیت ۲ تا ۶)

●

چپکے چپکے — مخفی طور پر — دعا کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ:
(۱) :- خداوندِ عالم کو، دعا کا یہ طریقہ زیادہ پسند ہے، کیونکہ اس میں تضرع اور انابت، اور خشوع و خضوع زیادہ ہوتا ہے۔
(۲) :- دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ: چونکہ حضرت زکریاؑ اس وقت، بہت زیادہ بوڑھے ہو چکے تھے، اب اگر وہ سب کے سامنے آشکارا طور پر مانگتے تو سننے والوں میں نادان لوگ اس قسم کی طعنہ زنی کر سکتے تھے کہ:
دیکھو یہ شخص کیسی خلاف عقل بات کہہ رہا ہے، اس بڑھاپے میں، خداوندِ عالم سے، اولاد کی دعا کر رہا ہے، جبکہ اولاد کے، سارے ظاہری امکانات ختم ہو چکے ہیں۔
(تفسیری حواشی...)

●

اور خداوندِ عالم نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:

يَازَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيٰى...

(اے زکریا ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہوگا)۔

(سورہ مریم آیت ۷)

کس قدر پرکشش اور عمدہ بات ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے کسی بات کی تمنا کرے، اور خداوند عالم کی طرف سے بلا تاخیر جواب آجائے کہ:

"ہم نے تمہاری دعا قبول کرلی۔

اور بشارت دے دی جائے کہ دعا کا نتیجہ بہت جلد سامنے آنے والا ہے۔

تم نے فرزند کی درخواست کی تھی ــــ اس کے جواب میں، ہم نے تمہیں ایک فرزند کی خوش خبری سنادی۔

جس کا نام "یحییٰ" ہوگا۔

قتادہ اور کلبی وغیرہ (دیگر مفسرین) نے صراحت کی ہے کہ:

حضرت یحییٰ سے قبل کسی شخص کا بھی نام "یحییٰ" نہیں رکھا گیا تھا۔

اور اس طرح یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کررہی ہے کہ:

"نادر نام رکھنے سے شخصیت کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

(تفسیر مظہری جلد، صفحہ ۲۹۴)

سورہ مبارکہ الصافات ــــ اور

سورہ مبارکہ مریم ــــ کی جن آیات کا ذکر کیا گیا، ان کے مطالعہ سے یہ بات، اچھی طرح سے واضح ہوجاتی ہے کہ،

خدا کے بلند مرتبہ پیغمبروں نے اولاد کی تمنا کی ہے۔

جناب زکریا بہت بلند مرتبہ نبی ہیں، اور انبیائے بنی اسرائیل میں وہ دینی و دنیاوی سرداری کے مالک انسان تھے، جنھوں نے اولاد کی تمنا کی۔

خلیل خدا، حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تمام انبیائے کرام میں سب سے بلند مرتبہ عہدے پر فائز ہیں، اللہ کے دوست، اولوالعزم پیغمبر، اور ابوالانبیاء کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی فرزند کی تمنا کی۔

مولائے کائنات امیرالمومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ کے طاہر بھی، حسن و حسین علیہما السلام کے بعد، ایک فرزند کی تمنا کی تھی۔

ایک ایسا فرزند، جو شجاعت و بہادری، جرأت و استقامت اور اور وفا شعاری میں بے مثال ہو۔

چنانچہ آپؑ نے اپنے بھائی جناب عقیل سے، جو عرب کے حالات، اور خاندانوں اور قبائل کے حسب نسب سے خوب واقف تھے، فرمایا:

"آپ میرے لئے کسی ایسے خاندان کی لڑکی تلاش کیجئے، جس کے ددھیال اور ننھیال، کل قبیلے کے افراد شجاع اور بہادر ہوں، جس سے میں شادی کروں تو پروردگار عالم مجھے خوب بہادر فرزند عطا فرمائے۔

ہمارے بلند مرتبہ عالم دین علامہ مامقانی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

جناب امیرؑ نے جناب عقیل سے فرمایا:

اُنْظُرْ إِلَى امْرَأَةٍ قَدْ وَلَدَتْهَا الْفُحُولَةُ مِنَ الْعَرَبِ لِأَتَزَوَّجَهَا فَتَلِدَ لِي غُلَامًا فَارِسًا يَكُونُ عَوْنًا لِوَلَدِي الْحُسَيْنِ فِي كَرْبَلَاء

آپ کسی ایسی خاتون کو تلاش کیجئے جو عرب کے بہادروں کی نسل سے ہو جس سے میں شادی کروں تو ایک بہادر و شہسوار فرزند پیدا ہو، جو کربلا میں میرے بیٹے حسینؑ کا مددگار بنے)

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
- تنقیح المقال، علامہ مامقانی، باب العباسؑ ص
- اسرار الشہادۃ، علامہ دربندی ص
- شرح شافیہ: ابی فراس
- عمدۃ الطالب ص — الاعتراف الکبیر ص
- ناسخ التواریخ جلد ۲ ص (ذکر العباس)

اس روایت سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جناب امیرؑ نے خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دنیا سے جانے کے تقریباً ۱۲/۱۰ سال بعد، جناب اُم البنین سے شادی کا جو ارادہ کیا وہ اس لئے کہ آپ کو بہادر فرزند ملے۔
ن کے ساتھ یہ بات بھی سامنے آئی کہ:
آپ کو ایک بہادر فرزند کی تمنا اس لئے تھی کہ:
سنہ ہجری میں آپ کے فرزند حضرت امام حسین علیہ السلام دین خدا کی حفاظت، اور شریعت مصطفیٰؐ کی پاسبانی کیلئے مدینہ منورہ کو ترک کرنے کے بعد، جب کربلا کا سفر اختیار کریں، تو ایک جری و بہادر، باوفا و شہسوار، شجاع و غضنفر، شیر بیشۂ شجاعت، قوت بازو آپ کے ساتھ ہو، جو قدم قدم پر نصرت حق کا فریضہ ادا کر رہا ہو۔
اور یہ فقرہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ:
وفات پیغمبرؐ کے بعد ہی خاندان رسالت نے اُس عظیم الشان قربانی کی تیاری شروع کر دی تھی جو دین خدا کی خاطر سنہ ہجری میں کربلا کی سرزمین پر پیش کی جانے

والی تھی۔

ظلم کے طوفان میں عزم بشر کی ناؤ تھی
کربلا کردار سے کردار کا ٹکراؤ تھی
(ساحر لکھنوی)

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:
آتی ہے کربلا سے یہ آواز آج بھی
جاں حق کا اعتراف سر دار چاہیئے

ایک سوال اور اس کا جواب

مورخین نے عام طور پر یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"حضرت امیرالمومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے جناب عقیل سے کہا تھا کہ:

"میرے لئے کسی ایسے خاندان کی لڑکی کا انتخاب کیجئے، جس سے بہادر اور جسوری بچہ پیدا ہو۔"

(عمدۃ الطالب، ذکر السلسلہ)

جناب عقیل ان لوگوں میں سے تھے جن کا نقطۂ نظر سلسلۂ نسب کے سلسلہ میں نہایت معتبر اور حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا۔

ان کا طریقہ تھا کہ مدینہ منورہ میں، مسجدِ نبوی کے اندر جس جگہ پر نماز پڑھتے وہیں کافی دیر تک بیٹھے رہتے اور لوگ آپ سے، انساب، تاریخ، اور اہلِ عرب کے حالات سے متعلق، مختلف سوالات کرتے اور آپ ان کا جواب دیتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیے:

محاضرات نبویہ صفحہ ۱۶۱ ط، مصر)

اسی لئے شادی کے موقع پر، لڑکی کے انتخاب اور بچوں کی پرورش کے لئے

مربی خواتین کے لئے لوگ جناب عقیل کی طرف رجوع کرتے تھے، تاکہ اچھے سے اچھے خاندان کا پتہ چل سکے۔

پھر یہ کہ آپ کو خاندانی عزت و توقیر اور پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے قرابت کا شرف بھی حاصل تھا اور عرب کے قبیلوں میں خوش اطوار و خوش کردار خاندان اور اخلاقی صفات و کردار سے مالا مال گھرانوں کی بھی پہچان تھی۔

ازدواجی زندگی کے متعلق، دینِ اسلام نے جو ہدایت فرمائی ہیں، اور جن آداب کی طرف ہماری نشاندہی کی ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ:

"شادی کرتے وقت اچھے خاندان کی عورت کا انتخاب کرو کیونکہ ماں کے عادات و اطوار کی طرح ماموں کے صفات بھی بچے میں منتقل ہوتے ہیں۔"

ملاحظہ فرمائیے: کافی۔ کلینی رہ)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہاں بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال آسکتا ہے کہ:

"حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے جناب عقیل سے مشورہ کیوں کیا۔؟"

آپ امام وقت تھے۔ گرچہ دنیا والوں نے آپ کی مسندِ حکومت پر قبضہ کرلیا تھا لیکن پیغمبرِ اکرم کے بعد اہلِ ایمان کیلئے ہادیٔ برحق، امام، پیشوا اور رہنما آپ ہی تھے، اور حضورِ اکرم کے بعد علم و فضل، شرف و کمال اور دیگر صفاتِ حسنہ میں کوئی آپ کے ہمسری نہیں کرسکتا تھا، اور اگرچہ آپ کا ایک ایسے فرزند کی تمنا تھی، جو شجاعت و جوانمردی میں بے مثال ہو لیکن اس کے لئے آپ نے جناب عقیل سے، ایک بہادر خاندان میں رشتہ کی بات کیوں فرمائی، براہِ راست خود اقدام کیوں نہ فرمایا۔؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولائے حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب دیگر علوم کی طرح، انساب عرب کے سلسلے میں بھی درجہ کمال پر فائز تھے۔

اور ہمارا عقیدہ ہے کہ:

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام، اس عالم ہستی کے ہر اچھے برے اور ہر مخلوق کے محامد و محاسن سے باخبر ہیں۔

اس مختصر کتاب میں اس کے دلائل پیش کرنے کا موقع نہیں۔ کیونکہ یہ بات تمام صاحبانِ ایمان پر بخوبی واضح اور آشکار ہے کہ:

حضرت امیرالمومنین کے علم کا دنیا میں کسی انسان کے علم سے نہ مقابلہ ہو سکتا ہے، اور نہ کسی دوسرے صاحب علم سے موازنہ!!

بھلا کیونکر ممکن ہے کہ:

جس کو چیونٹیوں کے نر و مادہ کی شناخت ہو، اُس کو عرب کے شجاع و بہادر قبیلے کا علم نہ ہو۔

جناب ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے کہ:

"میں امیرالمومنین علیہ السلام کے ہمراہ ایک بیابان سے گزرا؟ جہاں بے شمار چیونٹیاں تھیں۔ انھیں دیکھ کر میں نے کہا:

"پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جو کہ ان کی تعداد سے باخبر ہے۔

یہ سن کر حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

"یہ نہ کہو۔ بلکہ یہ کہو کہ: پاک و پاکیزہ ہے ان کو پیدا کرنے والا۔ کیونکہ ان کی تعداد کو میں بھی جانتا ہوں، اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ان میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنی ہیں!

(ملاحظہ فرمایئے مدینۃ المعاجز ص۱۱)

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے علم کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

آپ نے فرمایا:

"ہمارے شیعہ، حضرت آدمؑ سے پہلے ایک مخصوص طینت و سرشت سے پیدا کئے گئے، نہ اس تعداد میں اضافہ ہوگا، اور نہ کمی۔

میں جب ان کو دیکھتا ہوں تو اُن کی ہر فرد کو پہچان لیتا ہوں، دوست دشمن کو جانتا ہوں، خاندان اور قبیلے ہمارے یہاں لکھے ہوئے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے:

(اختصاص شیخ مفید اور بصائر الدرجات)

ان روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

آپؑ کو نسب کی شناخت کے لئے جناب عقیلؑ کی نشاندہی کی ضرورت نہ تھی البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت کی گفتگو روزمرہ کی بات چیت کے عنوان سے رہی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے تمام کاموں میں مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں جن میں سے کچھ کو ہم درک کر لیتے ہیں اور کچھ کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی ایسے نمونے موجود ہیں۔ قرآن مجید میں خالق دو جہاں کا ارشاد بھی ہے:

وشاورھم فی الامر۔ (کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کریں)

جبکہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جن کا فیض باطنی ارادۂ ربّانی سے براہ راست رابطہ تھا، اور آپ کو کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

مگر اس کے باوجود، آپ چاہنے والوں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

چنانچہ جنگِ بدر کے اسباب کے سلسلے میں مورخین نے لکھا ہے کہ،

آنحضرتؐ کو یہ خبر ملی کہ قریش، لشکرِ اسلام پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا چکے ہیں — تو آپؐ نے اہلِ بزم کے سامنے یہ بات رکھی کہ:

"تم لوگوں کی کیا رائے ہے آیا ابوسفیان کا تعاقب کروں یا یہ کہ، قریش کی سرکوبی، کے لئے نکل پڑوں —؟

حاضرین میں سے دو آدمیوں نے کہا کہ:

"بہتر ہے قریش سے نہ الجھیں، کیونکہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں!

مگر آنحضرتؐ کو ان لوگوں کا مشورہ پسند نہیں آیا، چہرے پر رنج و غم کے آثار نمودار ہوئے۔

تو جناب مقدادؓ ابن اسود کھڑے ہوئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں گزارش کی:

اللہ کے رسولؐ — آپ کو خداوندِ عالم کی طرف سے جس بات کا حکم ملا ہو اُسے بجا لائیں ہم لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں۔

ہم لوگوں کا وہ انداز نہیں ہوگا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کا تھا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا کہ:

"آپ، اور آپ کا خدا، جائیں اور دشمنوں سے جنگ کریں، ہم لوگ تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔"

اے اللہ کے رسولؐ —

"ہم موسیٰؑ کے ساتھیوں جیسے نہیں ہیں — بلکہ ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ:

"آپ خدا کی مدد و نصرت کے ساتھ جنگ کے لئے تشریف لے چلیں ہم بھی

آپ کے ہمرکاب ہیں، اور جب تک دم میں دم ہے، کبھی میمنہ، کبھی میسرہ اور کبھی قلبِ لشکر میں پہونچ کر آپ کی نصرت کا حق ادا کرتے رہیں گے۔

خداوندِ کردگار کی قسم، جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اگر آپ حبشہ کے شہر "برک الغماد" جیسے دور دراز علاقہ میں، دشمنوں سے جنگ کیلئے تشریف لے گئے، تب بھی ہم حاضر ہیں۔

حضرت رسولِ خدا نے جب جناب مقداد کی ایسی پرجوش، اور خلوص و وفا میں ڈوبی ہوئی تقریر سنی تو مسکرا دیئے اور آپ کے چہرۂ اقدس پر مسرت کے آثار نمودار ہوئے۔

ملاحظہ فرمایئے:

طبری جلد ۲، صفحہ ۴۳

اسی طرح جنگِ احزاب اور دوسری جنگوں کے مواقع پر، آپ نے اپنے اہلِ بزم سے مشورے کئے ہیں جن میں سے بعض مشوروں کو آپ نے قبول فرمایا، اور بعض کو رد بھی فرمایا ہے۔

ان موارد کا تفصیلی جائزہ لینے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ،

آنحضرتؐ گویا لوگوں کو مشورہ کرنے کا عادی بنا رہے تھے، تاکہ انھیں اس کی عادت پڑ جائے اور ان کا کوئی بھی کام جلد بازی کی نذر نہ ہونے پائے۔

حضراتِ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا شیوۂ زندگی بھی یہی تھا — چنانچہ امام ہشتم حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"میرے والد ماجد اگرچہ معصوم تھے، اور علمِ لدنی رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود اپنے باغات وغیرہ کے متعلق مشوروں میں اپنے خدمت گاروں کو بھی شریک کرتے تھے۔

کسی نے اس پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ:
خدمت گاروں کے مشورے بھی صحیح ہوتے ہیں۔

●

ان واقعات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ عقلی و مادی اُمور کو فطری انداز سے انجام پانا چاہیئے۔

حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پاس اگرچہ یہ قدرت تھی کہ وہ اپنے اعجازی اختیارات کو استعمال کریں۔

لیکن اُن حضرات نے، دین و دنیا کے آقا و مولا ہونے کے باوجود ایسا اقدام نہیں فرمایا بلکہ ایک عمومی انداز کی زندگی گزاری — اور اپنے طرزِ عمل سے، اپنے حلقہ بگوش لوگوں کے خیالات، اور اُن کی توقعات کی اصلاح فرمائی۔

●

حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے بھی ممکن ہے کہ زوجہ کے انتخاب میں اسی روش کو اپنایا ہو۔

تاکہ اُن کے چاہنے والوں کو یہ درس ملے کہ:
شادی انسانی زندگی کے اہم مسائل میں سے ہے۔ جس کے ہر پہلو کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے، اور جلد بازی میں کوئی قدم اٹھانے کے بجائے، صاحبِ فہم لوگوں کے مشورہ سے ہی کوئی اقدام کرنا چاہیئے۔

●

اور آخری بات یہ ہے کہ:
حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے بھائی عقیل سے جو گفتگو کی ہے اُسے مشورہ کیوں کہا جائے یہ تو دو بھائیوں کی ایک خانگی معاملے میں، باہمی گفتگو ہے۔

مولاؑ، چونکہ ایک ایسا عالی نسب، شجاع و بہادر قبیلے کی کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے جس کے ذریعے سے آپ کو ایک باہمت مند، بہادر اور ایسا شجاع فرزند ملے جس کے خون کے اندر شجاعت و دلیری رچی بسی ہوئی۔

اس لئے، جس طرح ہمارے یہاں کوئی شخص جو شادی کا خواہش مند ہو براہِ راست بات کرنے کے بجائے اہلِ خاندان میں سے ذمہ دار اشخاص کو یہ فریضہ سونپ دیتا ہے کہ وہ فلاں خاندان میں اس کے رشتے کی بات کریں۔

اسی طرح یہ ممکن ہے کہ مولاؑ نے جناب عقیل کو جو انساب عرب سے بہت زیادہ واقفیت رکھتے تھے، یہ ذمہ داری سونپی ہو کہ:
"ایک بہادر اور شیر دل گھرانے کی خاتون سے آپ کی شادی کا پیغام لے کر جائیں۔

(ملاحظہ فرمایئے:
صحیفۂ وفا: از عبدالرزاق مقرم)

جنابِ اُمّ البنینؑ کے والد سے جنابِ عقیلؑ کی گفتگو

گذشتہ صفحات پر ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ،

مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے برادر محترم جنابِ عقیلؑ سے فرمایا تھا کہ،

"میرے لئے کسی ایسے خاندان کی عورت کا انتخاب کیجئے جس سے جرأت مند اور بہادر بچہ پیدا ہو۔"

اور جنابِ اُمّ البنینؑ (فاطمہ بنت حزام کلابیہ) کا خاندان اس لحاظ سے پوری دنیائے عرب میں ایک ممتاز خاندان کی حیثیت رکھتا تھا۔

صحیفۂ وفا کے مصنف کے مطابق:

"جنابِ اُمّ البنینؑ کا ددھیالی سلسلہ اس طرح ہے:

فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ بن وحید بن کعب بن عامر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ۔

اور ننھیالی سلسلہ اس طرح ہے:

فاطمہ بنت ثمامہ دختر سہیل بن مالک بن جعفر بن کلاب۔

ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ:

"حضرت عباسؑ کے ننھیالی خاندان والے بھی اپنے اپنے زمانہ کے شجاع

اور بہادر مشہور تھے۔

مورخین نے ظہورِ اسلام سے پہلے بھی اس گھرانے کے افراد کا بہادری اور سرداری کے ساتھ ذکر کیا ہے

یہ وہ خاندان ہے جس کی سیادت و شجاعت کے سامنے اس وقت کے بادشاہوں کی گردنیں خم تھیں، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جنابِ عقیلؑ نے حضرت امیر المومنینؑ سے کہا تھا کہ:

"عربوں میں اُمّ البنینؑ کے اجداد سے زیادہ شجاع اور بہادر کوئی گھرانہ نہیں۔"

اور ان کے خاندانی سلسلہ میں ایسے ایسے بہادر ہیں جنہیں ان کی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے "ملاعب الاسنہ" کا لقب ملا تھا جس کے معنی ہیں "نیزوں سے کھیلنے والے"

چنانچہ جنابِ امیرؑ نے اس خاندان میں رشتہ لے کر جانے کی جنابِ عقیلؑ کو اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اجازت سے جنابِ عقیلؑ جنابِ اُمّ البنینؑ کے والد جنابِ حزام کے پاس پہونچے تو آپ کو صدرِ مجلس میں جگہ دی گئی۔

ادائے مراسم کے بعد جنابِ عقیلؑ نے سلسلۂ جنبانی شروع کی۔

جنابِ حزام نے پوچھا:

"میری لختِ جگر کے لئے کس کا رشتہ لے کر آئے ہو؟"

جنابِ عقیلؑ نے کہا۔

خورشید سپہرِ امامت، جمشید سریرِ کرامت، واقفِ معارجِ لاہوت، عارفِ مدارجِ ناسوت، ناشرِ ناموسِ ہدایت،

اور ایک اور مقام پر فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔

(بیشک خداوند عالم تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کی طرف نہیں دیکھے گا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے)

ملاحظہ فرمایئے: صحیح مسلم، ابن ماجہ وغیرہ)

اور یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں تھیں۔

بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری، عملاً قائم کر کے دکھا دی[1] (جس میں فارس سے آنے والے جناب سلمان فارسیؓ حبشہ سے آنے والے جناب بلالؓ، ربذہ سے تعلق رکھنے والے جناب ابوذرؓ۔ اور دوسرے قبیلوں سے تعلق رکھنے والے جناب عمار یاسرؓ اور جناب مقداد۔ سب آپس میں حقیقی بھائیوں کے مانند نظر آتے ہیں)۔

اور قرآنی آیات پر نظر رکھنے والے بخوبی واقف ہیں کہ:

خداوند عالم نے تقویٰ کو عظیم ترین امتیاز قرار دیا ہے اور اسی کو انسانوں کی قدر و منزلت کے ناپنے کا معیار قرار دیا ہے۔

ایک آیت میں تقویٰ و پرہیزگاری کو بہترین توشۂ راہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔

اور توشۂ راہ اختیار کرو، بیشک پرہیزگاری سب سے بہتر توشۂ راہ ہے)

(سورہ البقرہ آیت ۱۹۷)

---

[1] استفادہ از تفہیم القرآن جلد ۵، ۹۷، ۹۸

ایک اور مقام پر تقویٰ کو بہترین لباس قرار دیا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ

(اور تقویٰ کا لباس، وہ (سب سے) بہتر ہے)

(سورہ الاعراف آیت ۲۶)

نیکی اور تقویٰ کو ایک دوسرے کا قرین قرار دیا گیا۔

ارشادِ قدرت ہے،

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

(نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون کرو)

(سورہ المائدہ ۲)

اور عدل و انصاف کو تقویٰ سے سب سے نزدیک قرار دیا گیا۔

ارشادِ قدرت ہے،

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

(عدل و انصاف کرو، وہ تقویٰ سے سب سے زیادہ نزدیک ہے)

(المائدہ ۸)

یہاں تک کہ پروردگارِ عالم نے خود اپنی توصیف کرتے ہوئے خود کو اہلِ تقویٰ قرار دیا۔

ارشادِ قدرت ہے:

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ

(وہ اہلِ تقویٰ اور صاحبِ مغفرت ہے)

(سورہ المدثر آیت ۵۶)

اور قرآنِ مجید ہر اس عمل کو جس نے روح اخلاص و ایمان — یعنی نیک اور پاکیزہ

بنت سے سرچشمہ حاصل کیا ہو، تقویٰ کی بنیاد پر شمار کرتا ہے

ملاحظہ فرمایئے

(تفسیر نمونہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۱، ۱۹۲)

اسی کے ساتھ اس حقیقت سے بھی کوئی صاحب نظر انکار نہیں کرسکتا کہ پروردگار عالم نے اپنے پیغمبروں کو ہمیشہ عالی نسب خاندانوں میں رکھا۔ خصوصاً ہمارے نبی اکرمؐ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کو مالکِ دو جہاں نے پوری کائنات میں سب سے ممتاز قرار دیا۔

اور قرآن مجید کی ایک آیت، سے تو اس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ حضور اکرمؐ کے سلسلۂ نسب کے تمام بزرگان، نہ صرف طیب و طاہر عالی نسب اور دیندار تھے بلکہ وہ سب سجدہ گذار بھی تھے۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ

(اور سجدہ گذاروں میں آپ کی گردش کو)۔

(سورہ مبارکہ الشعراء آیت ۲۱۹)

جس کے ذیل میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ:

اس سے مراد اصلاب النبیین (پیغمبروں کا شجرۂ نسب ہے)

جبکہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے جناب جابرؓ کے حوالہ سے ایک مفصل روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے حضرت رسولِ خدا سے دریافت کیا۔

أَيْنَ كُنْتَ وَآدَمُ فِي الْجَنَّةِ

(اے خدا کے رسولؐ جب حضرت آدمؑ جنت میں تھے، تو آپ کہاں تھے)؟

قالؐ:

كُنْتُ فِي صُلْبِهِ، وَهَبَطَ إِلَى الْأَرْضِ وَأَنَا فِي صُلْبِهِ، وَرَكِبْتُ السَّفِينَةَ فِي صُلْبِ نُوحٍ، وَقُذِفَ بِي فِي النَّارِ فِي صُلْبِ إِبْرَاهِيمَ، لَمْ يَلْتَقِ أَبَوَانِ عَلَى سِفَاحٍ قَطُّ۔

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يَنْقُلُنِي فِي الْأَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ إِلَى الْأَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ هَادِيًا مَهْدِيًّا حَتَّى أَخَذَ اللّٰهُ بِالنُّبُوَّةِ عَهْدِي وَبِالْإِسْلَامِ مِيثَاقِي وَبَيَّنَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ صِفَتِي، وَأَثْبَتَ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ ذِكْرِي وَرَقِيَ بِي إِلَى سَمَائِهِ، وَشَقَّ لِي اسْمًا مِنْ أَسْمَائِهِ... فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَأَنَا مُحَمَّدٌ۔

(حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

(جب حضرت آدمؑ جنت میں تھے) تو میں ان کے صلب میں تھا۔

جب وہ وہاں سے زمین کی طرف تشریف لائے تو بھی میں ان کے صلب میں تھا۔

جب نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو میں اُن کے صلب میں تھا۔

جب میرے جدِ بزرگوار حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا، تو میں ان کے صلب میں تھا۔

ہمارے سلسلۂ نسب میں جتنے والدین ہیں، کوئی بھی غیر شرعی تعلق کا مرتکب نہیں ہوا۔

خداوندِ عالم نے ہمیشہ مجھے پاک پاکیزہ صُلبوں سے طیب و طاہر رحموں

اسکی تائید جناب ابن عباس کی اس تفسیر سے بھی ہوتی ہے کہ:

عَنِ ابنِ عَبَّاس، اِنَّ مَعنَاہُ:

أَخرَجَكَ مِن نَبِيٍّ إِلَىٰ نَبِيٍّ حَتّیٰ أَخرَجَكَ نَبِیاً۔

(خداوند عالم نے آپ کو ایک نبی سے دوسرے نبی تک منتقل کیا یہاں تک کہ آپ کو دنیا میں بھیجا تو نبی بنا کر بھیجا)۔

(تفسیر تبیان)

اور حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول احادیث بھی اس مفہوم کی تائید کرتی ہیں، جیسا کہ علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

عَن اَبِي جَعفَرٍ وَ اَبِي عَبدِ اللهِ صَلَوٰتُ اللهِ عَلَيهِمَا قَالَا:

فِي اَصلَابِ النَّبِيِّينَ، نَبِيٍّ بَعدَ نَبِيٍّ، حَتّیٰ اَخرَجَهُ مِن صُلبِ اَبِيهِ

مِن نِكَاحٍ غَيرِ سِفَاحٍ، مِن لَدُنِ آدَمَ۔

(حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ) دونوں حضرات نے فرمایا:

(خداوند عالم نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء کے صلب سے پیدا کیا ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف (آپ منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ (جناب اسمٰعیل کے بعد نسلاً بعد نسل، بلند مرتبہ افراد کے صلب سے گذرتے ہوئے) اپنے پدر بزرگوار حضرت عبداللہ تک، تمام حضرات کے شرعی نکاح کے ذریعہ (یہ سلسلہ) آگے بڑھتا رہا۔ آپ کے سلسلۂ نسب میں کوئی ایسا نہیں ہے جو شرعی نکاح کے بغیر ہو)

ملاحظہ فرمائیے تفسیر مجمع البیان)

اور جیسا کہ علامہ سید ہاشم حسینی بحرینی نے اپنی مشہور کتاب "تفسیر البرہان" میں "وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ" کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

حضرت عبدالمطلب تک جب یہ نور پہنچا، تو اسے خداوند عالم نے دو حصوں میں تقسیم کردیا، ایک حصہ صلب عبداللہ میں رکھا، جس سے پیغمبر اکرم تشریف لائے، اور دوسرا حصہ صلب ابوطالب میں رکھا جس سے حضرت علی علیہ السلام دنیا میں آئے۔

اور جب حضرت علی کی شادی جناب ام البنین سے ہوئی، تو علمدار وفا حضرت عباس علمدار دنیا میں آئے۔

آپ کے سلسلۂ نسب پر نگاہ رکھنے والے حضرات، اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ:

قمر بنی ہاشم حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو بھی پروردگار عالم نے سلسلۂ نسب کے اعتبار سے بلند مراتب عطا فرمائے ہیں:

آپ کے قابلِ فخر والدین

قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس کے والد ماجد تو حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں جن کے لئے شاعر نے بجا طور پر کہا ہے کہ :

بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر

(یعنی مختصر بات یہ ہے کہ : حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ساری دنیا سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ جو ذات ہے اس کا نام نامی اسم گرامی : فاتحِ خندق و خیبر، قاتلِ مرحب و عنتر، اسد اللہ الغالب غالب علی کل غالب، امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔

اور آپ کی مادرِ گرامی :

جناب فاطمہ بنتِ حزام کلابیہ (اُمّ البنین) ہیں۔

جن کے سلسلۂ نسب پر اگر مختصر سی نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات واضح طور سے نظر آتی ہے کہ آپ کے خاندان میں صدیوں سے بہادری اور شہسواری کی روایات چلی آ رہی تھیں۔

ہم اس سلسلہ میں لسان الملک کی روایت کا ایک اقتباس جناب اُمّ البنینؑ کے بارے میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

موصوف نے لکھا ہے کہ :

جناب اُمّ البنینؑ کی والدہ : لیلیٰ بنتِ شہید ابن ابی عامر ابن ملاعب الاسنہ

(یعنی میدانِ جنگ میں نیزوں سے کھیلنے والے تھے۔

جناب لیلیٰ کی والدہ : ثمامہ بنتِ سہیل بن عامر : (اپنے زمانہ کے سوار بہادر)۔

جناب ثمامہ کی والدہ :- عمرہ بن طفیل — جو قرزل کے شہسوار کہے جاتے تھے

اور وہ مالک الاحرام بن جعفر بن کلاب کے بیٹے تھے — جو ہوازن کے سوار تھے۔

اور جناب عمرہ کی والدہ :- کبشہ بنت عروۃ الرحال —

اور کبشہ کی والدہ :- اُمّ الخشف — جو ہوازن کے شہسوار کی بیٹی تھیں۔

اور اُمّ الخشف کی والدہ :- فاطمہ بنت جعفر بن کلاب۔

اور جناب فاطمہ کی والدہ :- عاتکہ بنت عبد شمس بن عبد مناف۔

اور عاتکہ کی والدہ :- وہب بن عمرو بن نضر کی بیٹی : آمنہ تھیں۔

اور آمنہ کی والدہ :- دختر مجد بن صبیح الاغر ...

اور اُن کی والدہ :— دختر مالک بن قیس بن ثعلبہ۔

اسی طرح اگر سلسلۂ نسب کی بالائی کڑیوں کو دیکھیں تو ہر ایک طیب و طاہر اور میدانِ شجاعت و جوانمردی کے شہسوار نظر آئیں گے۔

چنانچہ علامہ کنتوری نے لکھا ہے کہ :

فَهِيَ حُرَّةُ الْأَصْلِ طَيِّبَةُ الْوِلَادَةِ

(جناب اُمّ البنین شریف خاندان سے پاکیزہ اور بے داغ شخصیت کی کی مالک تھیں اور اُن کا نسب نہایت عمدہ تھا)

(حوالہ کیلئے دیکھئے :

ماتین ص۱۸ : ذکر العباس)

معاصر مفکرین کا بیان ہے کہ : (جناب اُمّ البنین) جب آئیں تو گھر کے اندر

داخل نہیں ہوئیں ــ جب حضرت علیؑ کا اصرار دکھائی دیا تو بیٹھیں اور بیٹھنے کے بعد دہلیزِ خانہ کو چوما۔

آپ، مولاؑ کے گھر کی دہلیز چوم رہی تھیں کہ حضرت حسنؑ و حسینؑ ــ اور شہزادیاں جنابِ زینبؑ و امِ کلثومؑ تشریف لائیں اور گزارش کی:

اماں ــ اندر چلیئے!

فرمایا:ـ "میں تمہاری ماں بن کر نہیں آئی ہوں، میں تم سب کی کنیز بن کر آئی ہوں، تمہاری خدمت انجام دینے کے لئے ــ"

(قرآن اور سائنس: ۱۴۳)

البتہ صاحبِ ریاض القدس نے اسے یوں لکھا ہے کہ:

حضرت عباسؑ علمدار کی مادرِ گرامی جنابِ ام البنینؑ، فاطمہ کلابیہ، مولائے کائنات کی شریکِ حیات بن کر آپ کے گھر آئیں...

تو سب سے پہلے انہوں نے حضرت علیؑ کے دروازے کی چوکھٹ کو چوما، گھر میں آئیں، اور آنے کے بعد دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا:

پالنے والے ــ تیری یہ کنیز، تیری اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتی کہ تو نے اس گھر میں رہنے کی مجھے عزت بخشی جس گھر میں میری شہزادی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا رہا کرتی تھیں۔

اس کے بعد جنابِ ام البنینؑ نے پوچھا:

"میرے شہزادے (حسنؑ و حسینؑ) کہاں ہیں؟

بتایا گیا کہ ــ اس حجرے میں آرام کر رہے ہیں۔

یہ سن کر آپ اس حجرے کی طرف گئیں۔

امام حسنؑ کا پیر پکڑا ــ امام حسینؑ کا پیر پکڑا ــ دونوں شہزادوں کے پیر پکڑ کر کہا۔

"شہزادو ــ میں اگرچہ تمہارے باپ کی زوجہ ہوں، لیکن میرے شہزادو، اتنا یاد رکھنا کہ میں ماں بن کے نہیں آئی، میں تمہاری کنیز بن کے آئی ہوں۔

غور کیجئے، اس عاجزی و انکساری پر ــ کہ:

جس کو "پورا زمانہ" باپ کی بیوی ہونے کی بناء پر، ماں کا لقب دیتا ہے، وہ اپنی زبان سے کہہ رہی ہے کہ:

"میں کنیز بن کر آئی ہوں۔

بنی ہاشم کا چاند

حُسن وجمال بھی پروردگارِ عالم کی طرف سے ایک انعام ہے جو بندے کو عطا ہوتا ہے، جیسے انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان حضرت یوسف علیہ السلام کو حُسن و جمال کی وہ نعمت ملی تھی، جس پر ایک دنیا اُن پر فریفتہ ہو گئی تھی۔

اور زنانِ مصر نے اُن کی خوبصورتی کو دیکھ کر بے ساختہ کہا تھا کہ :

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ

(سُبحان اللہ یہ آدمی نہیں ہے، یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے)

(سورۂ یوسف آیت ۳۱)

اُن عورتوں نے بشریت کی نفی محض اس لئے کی تھی کہ :
اُنہوں نے حسن وجمال کا ایک ایسا پیکر دیکھا تھا، جو انسانی شکل میں کبھی اُن کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔

اور اُنہوں نے اُسے فرشتہ اس لئے قرار دیا کہ عام انسان یہی سمجھتا ہے کہ وہ ذات وصفات کے لحاظ سے ایسی شکل رکھتے ہیں جو انسانی شکل سے بالاتر ہے۔

(تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف)

آیت کے ذیل میں صاحب تفسیر مواہب الرحمان نے لکھا ہے کہ :
"جب اُن عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو دیکھا تو عظمت وجلال شانِ یوسف کی اُن پر طاری ہوئی، اور کمالِ حُسن وہیبت شانِ اصلی نبوت ازلی کی اور لباس و

تاج شاہانہ ظاہری سے اُن پر دہشت طاری ہوئی کہ جس سے خود فراموشی کی نوبت پہنچی۔"
ادنیٰ بات یہ تھی کہ (حضرت یوسف علیہ السلام اس قدر خوبصورت تھے کہ) :
"جب سوار ہو کر چلتے تو چہرہ کی نُورانیت سے دیواریں روشن ہو جاتی تھیں۔"

(تفسیر مواہب الرحمان جلد ۳ صفحہ ۲۱۹ — ۲۲۰)

لیکن خاندان بنی ہاشم، اپنے حسن وجمال میں بے مثال تھے، اور بکثرت اربابِ تاریخ و تفسیر کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے حسن و جمال میں ایک انتہائی منفرد امتیاز کے حامل تھے، چنانچہ صاحب منہج الصادقین لکھتے ہیں :

صاحب وسیط باسناد خود از جابر بن عبد اللہ انصاری نقل می کند کہ :

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود :

جبرئیل امین فرود آمد بر من و گفت : خدائی تو را سلام می رساند و می گوید کہ :

ای حبیب من ! — من حسن روی تو را از نور عرش مقرر کردم و حُسن یوسف را از نور کرسی کسوت دادم۔ وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَحْسَنَ مِنْكَ۔

(صاحب وسیط نے اپنے سلسلۂ سند سے حضورِ اکرم کے معروف صحابی جناب جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے — وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ :
جبرئیل امین میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ خداوند عالم نے آپ کی خدمت میں سلام بھیجا ہے — اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ :

اے میرے حبیب! میں نے آپ کے حُسن و جمال کو نُورِ عرش کے ذریعہ مقرر فرمایا ہے جبکہ حضرت یوسفؑ کو (عرش کے نیچے جو) کرسی ہے اُس کا لباس پہنایا تھا اور (اے محمدؐ) میں نے آپ سے بہتر کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں کی ہے)

تفسیر کبیر منہج الصادقین جلد ۵ صفحہ ۱۹)

●

اور صرف صاحبِ تفسیر کبیر پر ہی منحصر نہیں۔ عالمِ اسلام کے بیشتر اربابِ تاریخ و سیرت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضور اکرمؐ حُسن و جمال میں سب سے منفرد اور ممتاز حیثیت کے حامل تھے، اسی طرح خاندان کے دیگر حضرات بھی صاحبِ حُسن و جمال تھے۔

جناب عبدالمطلب۔ جن کے چہرے کی تابانی کی وجہ سے اُن کا لقب شیبۃ الحمد قرار پایا۔

جناب ہاشم۔ جس راستے سے گذرتے تھے وہاں کے لوگ اُن کے چہرے کو دیکھتے رہتے تھے۔

جناب عبداللہ (والدِ پیغمبرِ اکرمؐ) جو حُسن و جمال میں حضرت یوسفؑ سے مشابہ سمجھے جاتے تھے۔

اسی طرح جناب ابو طالبؑ اور حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اپنے خاندان کے انتہائی خوبصورت افراد تھے۔

حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے حُسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ آپ کو "قمرِ بنی ہاشم" (ہاشمی خاندان کا چاند) کہا جاتا تھا۔

جبکہ اس خاندان کے بارے میں دُنیا بھر کے مورخین کی کتابوں میں تصریح ہے کہ:

"رُوئے زمین پر حُسن و جمال کے اعتبار سے، سب سے ممتاز خاندان۔ بنی ہاشمؑ

کا ہے۔

گویا دنیا بھر کے خاندانوں کے درمیان جو خاندان مہ وماہ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ بنی ہاشمؑ ہیں اور اس خاندان میں جس فرد کو۔ اُس کے بے مثال حُسن و جمال کی وجہ سے "چاند" کہا جاتا ہے، وہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی ذات والا صفات ہے۔

آپ کے حُسن و جمال کو ایک شاعر نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے ؎

رشکِ یوسف کہوں عباس کو کہ کہ لب

فکر کو میری سلیمان کی روانی دیجے

●

عالمِ اسلام کے بلند مرتبہ محدث شیخ عباس قمی کی کتاب "منتہی الآمال" کو نہ صرف طلبِ علوم دینیہ کے درمیان مقبولیت حاصل ہے، بلکہ دنیا بھر کے صاحبانِ فکر و دانش کے نزدیک حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کے حالاتِ زندگی پر مشتمل اس کتاب کو، ایک سند کی حیثیت حاصل ہے

شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے آپ کے حُسن و جمال کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:

"آپ ایسے بلند و بالا اور قد آور تھے کہ:

اعلیٰ نسل کے بلند قامت گھوڑے پر سوار ہوتے تھے، تب بھی، آپ کے پائے مبارک، زمین پر خط دیتے ہوئے جاتے تھے۔"

اس بات کو ۔۔۔ بالفاظِ دیگر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ:

جب آپ کسی بلند و بالا سواری پر محوِ سفر ہوتے تھے، تب بھی زمین آپ کے پائے اقدس کے بوسے لیتی رہتی تھی۔

بقولِ شاعر

صورت پہ جس کی حسنِ دو عالم نثار ہے
جو گلشنِ وفا کا گلِ مشکبار ہے
ہاشم کے خاندان کا جو افتخار ہے
اسلام کے اصول کا آئینہ دار ہے
ملت کو جو صراطِ مودت بتا گیا
جذبہ خلوص درد کا دل میں جلا گیا

گہوارۂ جنبانی

تاریخی اعتبار سے یہ بات مشہور ہے کہ ملائکہ مقربین جو اہلِ جنت کے سردار ہیں، حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی گہوارہ جنبانی کرتے تھے۔
اور جناب سیدہ اگر کسی وقت آرام فرما رہی ہوتیں، تو پروردگار عالم کے مقرب فرشتے اُن کی چکی پیستے تھے۔

چنانچہ حسن بصری اور ابن اسحاق کی روایت ہے:
میمونہ بیان کرتی ہیں کہ:

وَجَدْتُ فَاطِمَةَ نَائِمَةً وَالرَّحَى تَدُورُ. فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِذَالِكَ، فَقَالَ:
إِنَّ اللهَ عَلِمَ ضَعْفَ أَمَتِهِ فَأَوْحَى إِلَى الرَّحَى أَنْ تَدُورَ فَدَارَتْ.

(میں نے دیکھا کہ:
حضرت فاطمہ زہراؑ آرام فرما رہی ہیں اور چکی چل رہی ہے۔
میں نے یہ واقعہ حضرت رسولِ خدا کے سامنے بیان کیا، تو آپ نے فرمایا کہ:
"خداوند عالم (میری بیٹی) ۔ کی ناتوانی سے باخبر ہے اُس نے وحی کے ذریعہ سے چکی کو حکم دیا تو وہ چلنے لگی)۔

البتہ جناب ابوذر غفاریؓ نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے کہ:
"میں حضرت علی علیہ السلام کے گھر گیا، آپ کو آواز دی، تو کوئی جواب نہیں آیا، البتہ چکی کی آواز آئی، مجھے تعجب ہوا کہ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

اور چکی چل رہی تھی

میں نے یہ واقعہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:
حضرت علیؑ کے گھر میں، میں نے حیرت انگیز بات دیکھی کہ چکی تو چل رہی تھی،
مگر وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا:

اِنَّ ابْنَتِی فَاطِمَةَ مَلَأَ اللّٰهُ قَلْبَهَا وَجَوَارِحَهَا اِيْمَانًا وَيَقِيْنًا اِلٰى اِنَّ اللّٰهَ
عَلِمَ ضَعْفَهَا فَاَعَانَهَا عَلٰى دَهْرِهَا وَكَفَاهَا
اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً مُوَكَّلِيْنَ بِمَعُوْنَةِ آلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

(میری بیٹی فاطمہ زہراؑ کے قلب و جوارح کو خداوند عالم نے ایمان و یقین سے مالا مال کر رکھا ہے اور وہ میری بیٹی کی ناتوانی کو بھی جانتا ہے ہمیشہ ان کی مدد کرتا ہے، اور تمام معاملات میں ان کی کفایت کرتا ہے

کیا تم نہیں جانتے کہ:
خداوند عالم نے کچھ فرشتوں پر یہ ذمہ داری رکھی گئی ہے کہ وہ آلِ محمدؐ کے امور میں تعاون کرتے رہیں)

حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
کتاب الخرائج: راوندی)

●

صاحبانِ فکر و دانش اس جگہ قمرِ بنی ہاشم، تاجدارِ وفا حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے مرتبے کا اندازہ کریں کہ:
خداوند عالم کے مقرب فرشتوں نے جن شہزادوں کی گہوارہ جنبانی کی وہ جوانانِ جنت کے سردار امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ علیہما السلام ہیں۔

اور جوانانِ جنت کے سرداروں، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ نے جس کی گہوارہ جنبانی کی، وہ علمدارِ حسینیؑ تاجدارِ وفا حضرت عباسؑ کی ذاتِ گرامی ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے،

مظہرِ شاہِ لافتیٰ عباسؑ
نعرہ بادِ مرتضیٰؑ عباسؑ

کعبۂ دل کا مدعا عباسؑ
یعنی حیدرؑ کی دعا عباسؑ

جس میں خیبر کشا کا جلوہ ہے
وہ شجاعت کا آئینہ عباسؑ

آپ کے القاب

حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی حیات طیبہ اور آپ کی جلیل القدر خدمات کا تذکرہ، ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے متعدد مقامات پر کیا ہے، اور متعدد معصومین کرام نے آپ کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے، جس کا تذکرہ ہم ایک مستقل باب میں کریں گے۔

البتہ مختلف زیارتوں اور دیگر کتب مقاتل میں آپ کے بوگراں قدر القاب بیان کئے گئے ہیں، اور جن میں سے ہر لقب ایسا ہے جس کی اگر دیگر احادیث معصومینؑ کی روشنی میں تشریح کی جائے تو یہ باب بہت طولانی ہو جائے گا۔

اس لئے ہم، اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس جگہ آپ کے صرف چند القاب ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

رئیس الشجعان

معروف مورخ، علامہ سپہر کاشانی، جن کی تالیف کردہ کتاب تاریخ کو فارسی زبان میں لکھی جانے والی تواریخ میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے

وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَئِيْسُ الشُّجْعَانِ

(آپ تمام صاحبان شجاعت کے سید و سردار ہیں)

(ملاحظہ فرمایئے: ناسخ التواریخ جلد صفحہ ۱۰۹)

اور یہ بات تو آپ کے اسم مبارک سے بھی ظاہر ہے۔

کیونکہ عباس کے معنی ہی شیر کے ہیں۔ جیسا کہ ارباب لغت نے تصریح کی ہے۔

تحفۂ حسینیہ کے جلیل القدر مؤلف نے لکھا ہے کہ:

كَانَ سَيِّدُ الْفُرْسَانِ، يَرْكَبُ الْفَرَسَ الْمُطَهَّمَ، وَرِجْلَاهُ يَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ.

(آپ تمام شہسواروں کے سید و سردار ہیں، دو رکابہ (بلند و بالا) گھوڑے پر سوار ہو کر چلتے تھے، تب بھی آپ کے پائے مبارک، زمین پر خط دیتے ہوئے جاتے تھے۔

(تحفۂ حسینیہ صفحہ ۱۲۰)

جیسا کہ اس کا تذکرہ، محدث جلیل حضرت شیخ عباس قمی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور و معروف تالیف منتہی الآمال میں بھی کیا ہے۔

لفظ "مطہم" کے بارے میں ارباب لغت نے لکھا ہے: مکمل اور خوشنما۔ اسی سے ہے۔ جواد مطہم یعنی خوبصورت گھوڑا

بعض ارباب قلم نے اس کی تشریح دو رکابہ گھوڑے سے بھی کی ہے۔)

افضل الشہداء

صاحب معالم الزلفی نے لکھا ہے کہ :

روزِ عاشورہ جب امامِ عالی مقام کے تمام اعوان و انصار کے درجۂ شہادت پر فائز ہونے کے بعد قمر بنی ہاشم، علمدارِ لشکرِ حسینیؑ حضرت عباس علیہ السلام بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے، اور امامؑ افتاں و خیزاں اُن کی لاش کے پاس پہونچے، بھائی کے سر کو اپنے زانو پر رکھا، اور عباسؑ نے اس دارِ فانی سے منہ موڑا، تو امام حسینؑ نے جنابِ عباسؑ کا جو مرثیہ پڑھا اس میں یہ بھی فرمایا :

یَا اَفْضَلَ الشُّھَدَاءِ وَ یَا ابْنَ الْمُرْتَضٰی۔ صَلَّی عَلَیْکَ اللّٰہُ کُلَّ اَوَانٍ

(اے شہید ہونے والوں میں سب سے افضل، اے حضرت علی مرتضیٰؑ کے فرزند، خداوندِ عالم ہر آن آپ پر رحمت نازل فرمائے)

(ملاحظہ فرمایئے :

(معالم الزلفی صفحہ ۲۶۰، مطبوعہ ایران)

امام عالی مقام اور تاجدارِ وفا کی قربت ملاحظہ فرمایئے کہ :

وہ سید الشہداء ہیں ۔۔ تو یہ افضل الشہداء

دونوں پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں، تا قیامت ۔۔ !

کربلا کے واقعات کے سلسلے میں جو کتابیں "مقاتل" کے نام سے لکھی گئی ہیں، اُن میں ایک مفصل کتاب اس نام سے بھی لکھی گئی ہے :

"ما تین فی مقتل الحسین"

اس کے گرامی مرتبت مؤلف نے لکھا ہے کہ :

کَانَ اَدْنٰی وَ اَبَرُّ مِنْ اَھْلِ بَیْتِ الْحُسَیْنِ

آپ، امام حسین علیہ السلام کے اہلِ بیت کیلئے سب سے زیادہ وفادار اور سب سے زیادہ نیکی کرنے والے تھے)

(ملاحظہ فرمایئے : ما تین فی مقتل الحسینؑ صفحہ ۲۲۰)

اُردو شاعر نے سچ کہا ہے کہ ؎

عباسؑ کی وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جس دن سے کربلا کی سرزمین پر قدم رکھا، خیموں کی تنصیب، بچوں کی حفاظت، اور ساتھیوں کی خبر گیری حضرت عباس علمدارؑ کے اہم مشاغل تھے، اور اگرچہ بوقتِ ضرورت امامِ عالی مقامؑ نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی فرات سے پانی لانے کے لئے بھیجا، لیکن چوتھی محرم کو جب فرات کے گھاٹ پہرے پر بٹھا دیئے گئے، تو حضرت عباس علمدار ہی کی شجاعت تھی جس کے سامنے یزیدی افواج ٹھہرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں اور آپ پوری جوانمردی کے ساتھ پانی لانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

یہاں تک کہ جب ساتویں محرم سے امامؑ اور اُن کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا گیا تو حضرت عباسؑ نے ہی کربلا کی سرزمین پر متعدد کنویں کھودے (یہ اور بات ہے کہ زمین سنگلاخ تھی، یا پیاس کے امتحان کی گھڑی آ پہنچی تھی، اور ان کنووں

سے پانی بہ آور نہ ہو سکا لیکن عباس کا نام سقا کے حیثیت سے قیامت تک زندہ رہے گا۔

کثیر البطش

علامہ کنتوری علیہ الرحمہ نے وقعات کربلا پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے وہ حضرت عباس علمدار کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اِنَّ الْعَبَّاسَ كَثِيْرُ الْبَطْشِ، قَوِيُّ الْبَقْسِ، الْاِنْتِقَامُ مِنْ اَسْلَابِيْهِ اَوْ اِلٰى اَخِيْهِ اِلَّا وَيَنْتَقِمُ مِنْهُ۔

(حضرت عباس حملہ کے وقت دشمن پر بہت زیادہ ٹوٹ پڑنے والے سخت گرفت کرنے والے تھے کوئی اُن کے ساتھ یا ان کے بھائی کے ساتھ بے ادبی کرے تو اُسے چھوڑتے نہیں تھے بلکہ اُس سے بدلہ ضرور لیتے تھے (اور اس کی گستاخی کا اُسے مزہ چکھاتے تھے)

(الفتاوی : المعتبر فی قتال الحسین صفحہ ۴۴)

اس لفظ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں اس لفظ کو اپنی گرفت کیلئے استعمال فرمایا ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (یقیناً تمہارے پروردگار کی گرفت بہت سخت ہے)

(سورۃ البروج آیت ۱۲)

جب وہ اپنے دشمنوں کی گرفت کرنا چاہے جو اُس کے رسولوں کی تکذیب کرتے

اور اُس کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے سرکشی کی راہ اختیار کریں۔ تو پھر اُس کی گرفت سے اُن لوگوں کو کوئی بچا نہیں سکتا جیسا کہ ماضی کی اقوام کے عذاب سے نمایاں ہے۔

مبشر بالشجاعۃ

علامہ کنتوری نے آپ کا یہ لقب بھی اپنی مذکورہ بالا تالیف میں ذکر کیا ہے، چنانچہ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ:

...اِنَّهٗ مُبَشَّرٌ بِالشَّجَاعَةِ قَبْلَ مِيْلَادِهٖ، وَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنَ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْنَ اسْتُشْهِدُوْا فِي الطَّفِّ فَائِزًا بِتِلْكَ الدَّرَجَةِ۔

(آپ کی ولادت سے قبل ہی آپ کی شجاعت و دلیری کی بشارت دی گئی اور وہ شہیدانِ راہِ خدا جنہوں نے کربلا کے واقعہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا اُن میں سے حضرت عباس علمدار کے علاوہ کوئی بھی اس درجہ پر فائز نہیں ہوا)

(مائتین فی مقتل الحسین صفحہ ۴۴)

اور یہ بات تو تاریخی طور پر ثابت ہی ہے کہ جناب امیر نے جناب ام البنین سے شادی ہی اس لئے کی تھی کہ اُن کے ذریعے خداوند عالم آپ کو بہادر فرزند عطا فرمائے۔

جیسا کہ اربابِ ولا اس حقیقت سے واقف ہیں، حضرت عباس علمدار

اگرچہ امام حسین علیہ السلام کے بھائی تھے، مگر خود کو ہمیشہ امام کا غلام کہا اور فرماتے تھے کہ:

أَنَا عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِ الْحُسَيْنِ

(میں حسینؑ کا غلام ہوں)

یہ لفظ آپ کے کمال اطاعت و فرماں برداری کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ لفظ "عبودیت" لغوی طور سے بھی فرماں برداری اور اطاعت کے معانی کیلئے وضع ہوا ہے۔

اس لفظ میں جہاں کمال تواضع و انکساری نمایاں ہے، وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اس ذاتِ والاصفات کی نفسانی بلندی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو بھائی ہوتے ہوئے خود کو غلام جیسا اطاعت گذار اور فرماں بردار قرار دے۔

اَلْعَبْدُ الصَّالِح ایک مخصوص لقب

قمرِ بنی ہاشم، علمبردارِ حسینیؑ حضرت عباس علیہ السلام کے القاب میں ایک مخصوص لقب:

"اَلْعَبْدُ الصَّالِحُ"

بھی ہے — جس کا تذکرہ آپ کی زیارتوں میں بھی پایا جاتا ہے اور حضرات معصومین علیہم السلام کی روایات میں بھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو حمزہ ثمالیؒ سے فرمایا کہ:

"جب حضرت عباس بن علی علیہ السلام کی زیارت کا قصد کرو (جن کا روضہ اقدس) حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم مقدس کے سامنے ہے، تو آپ کی ضریح اقدس سے چپک جانا اور یہ زیارت پڑھنا[1]،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ، اَلْمُطِيْعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ۔

(سلام ہو آپ پر اے عبد صالح۔

خدا اور اُس کے رسول — امیرالمومنینؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی اطاعت کرنے والے[2]۔

---

[1] اور جیسا کہ فقہاء و مجتہدین نے فرمایا ہے، جو شخص وہاں نہ پہنچ سکے وہ دور سے بھی یہ زیارت پڑھ سکتا ہے۔
[2] مفاتیح الجنان۔

اگرچہ حضرت عباس حضرت رسول خداؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے پندرہ برس بعد دنیا میں تشریف لائے اور انھیں براہ راست حضور اکرمؐ کی اطاعت کرنے کا موقع نہ ملا۔ لیکن جناب امیرؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام کی اطاعت کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔

اور ان بزرگوں کی یہ حیثیت خدا ائمہ طاہرین علیہم السلام کی اطاعت بھی در اصل خدا و رسولؐ ہی کی اطاعت تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ،
قرآن مجید میں خالق دو جہاں نے انبیائے کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے انھیں عباد اللہ الصالحین قرار دیا ہے

کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے فرمایا کہ:

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(اور بیشک وہ آخرت میں صالحین میں سے ہونگے)

(سورہ البقرہ آیت)

کہیں جناب یحییٰؑ کے لئے فرمایا کہ،

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(وہ سردار، ضبط نفس کے مالک، نیکو کاروں میں سے پیغمبر ہیں)

(سورہ مبارکہ آل عمران آیت)

اور کہیں حضرت عیسیٰؑ کیلئے ارشاد ہوا کہ:

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(وہ لوگوں سے گہوارہ میں بھی بات کریں گے اور عمر رسیدہ ہو کر بھی اور وہ صالح لوگوں میں سے ہیں۔ (سورہ مبارکہ آل عمران آیت)

اور کہیں متعدد انبیائے کرام کا تذکرہ فرمانے کے بعد قرآن نے اعلان کیا کہ:

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

(سب صالح (نیکوکار) تھے)

(سورۃ الانعام آیت)

لیکن "صالح المومنین" کے لقب سے صرف ایک ہی ذات والا صفات کو یاد کیا گیا ہے، اور وہ ذات امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ سورہ مبارکہ تحریم میں جہاں حضور اکرمؐ کی بعض ازواج کی محاذ آرائیوں کا ذکر ہے وہاں خالق دو جہاں نے اعلان فرمایا ہے کہ:

"ہمارے پیغمبرؐ کی مدد، خدا، جبرئیل، صالح المومنین اور فرشتے کریں گے۔"

ارشاد قدرت ہے:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔

(اے پیغمبرؐ کی دو بیبیو) "اگر تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تو (اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اگر تم دونوں اُن کے خلاف محاذ آرائی کرو تو یقیناً اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور صالح المومنینؑ، اور سب فرشتے اس کے بعد پشت پناہ ہیں۔"

(ملاحظہ فرمائیں سورہ التحریم آیت ۴)

جس کے ذیل میں ارباب تفسیر نے لکھا ہے کہ:

مومنین میں سے کسی فرد کو خصوصیت کے ساتھ صالح کہنا اس کے امتیازِ خاص کا، بلندیٔ کردار کے لحاظ سے بھی اور رسولؐ کے مددگارِ خاص ہونے کے لحاظ سے بھی ترجمان ہے۔ جس کی تشریح ہمارے یہاں کی حدیث میں جس کے موافق اہلِ سنت کے یہاں روایت بھی موجود ہے حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا نام آیا ہے۔ اور اس کی تائید میں رسولؐ کے ساتھ آپؑ کی جان سپاری اور آپ کی زندگی کے پورے کارنامے ہیں۔"[1]

❀

"ابن ابی حاتم نے خود حضرت علی علیہ السلام سے، اور ابنِ مردویہ نے اسمار بنت عمیس سے، اور ابنِ عساکر نے جنابِ عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:
"صالح المومنین" سے "علی بن ابی طالب" مراد ہیں۔[2]

❀

اور مذکورہ بالا روایت کو برادرانِ اہلسنت کے مشہور و معروف مفسرین: کلبی، مجاہد، اور ابو صالح نے بھی ذکر کیا ہے۔
جس کا تذکرہ ثعلبی نے اپنی "شواہد التنزیل" میں اور صاحبِ "حلیۃ الاولیاء" نے اپنی تالیف میں کیا ہے۔

●

اور مذکورہ بالا روایت، اور مفسرینِ کرام کے اقوال کی روشنی میں، یہ بات بالکل واضح طور سے سامنے آتی ہے کہ:

---

[1] تفسیر فصل الخطاب جلد ۲، صفحہ ۵۹۰۔ [2] تفسیر درمنثور جلد ۶، صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مصر۔

حضرت علی علیہ السلام: "صالح مومنین" ہیں — اور:
حضرت عباس علیہ السلام: "عبدِ صالح" — ہیں —
(خدا کی طرف سے —
لاکھوں درود و سلام باپ پر بھی ہو — بیٹے پر بھی — اور پورے
خاندانِ رسالت پر بھی)

علمداری

عَلَم — عربی زبان کا لفظ ہے، اہلِ لغت نے اس کے مندرجہ ذیل معانی لکھے ہیں:

صاحبِ مصباح اللغات کے نزدیک:

العلم — جھنڈا، قوم کا سردار، راستہ کا نشان، اونچا پہاڑ، علامت نشان مثلاً۔

اس کی جمع اعلام ہے۔ [1]

المنجد کے مؤلف نے بھی تقریباً یہی معانی لکھے ہیں:

اَلعَلَم: کپڑے کا نقش، جھنڈا، قوم کا سردار، راہ کا نشان۔۔ وغیرہ [2]

اردو زبان کی معروف لغت کی کتاب "فیروز اللغات" نے زیادہ جامعیت کے ساتھ اس کے معانی کا تذکرہ کیا ہے اور اوپر ذکر کئے گئے معانی کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے:

عَلَم: جھنڈا۔ نیز — سب سے خلاف، بلند کرنا، اونچا کرنا۔

علم اٹھانا: محرم میں شہدائے کربلا کی یاد میں جھنڈا نکالنا

علم بردار: جھنڈا اٹھا کر چلنے والا، پیش، حضرت عباس بن علی جو معرکہ کربلا میں امام حسین کے علمبردار تھے

علمدار: وہ شخص جو جھنڈا لے کر آگے چلے، جھنڈا اٹھانے والا۔ حضرت عباس بن علی کا لقب [3]۔

---

[1] مصباح اللغات: عبد الحفیظ بلیاوی، مطبوعہ: مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی صفحہ ۵۸۳

[2] المنجد صفحہ ۹۷۷

[3] فیروز اللغات (اردو) صفحہ ۹۰۱، ۹۰۲ مطبوعہ فیروز سنز لاہور (کوڈ نمبر: 969-0-00514-6)

اور لکھنؤ سے شائع ہونے والی اردو زبان کی ایک مفصل لغت کی کتاب "مہذب اللغات" کے مؤلف یوں رقمطراز ہیں:

عَلَم (بفتحتین) — رایت، نشان، جھنڈا۔ (عربی، مذکر، فصیح، رائج)۔ شہدائے کربلا، بالخصوص جناب عباس ابن علی علیہ السلام کے نام کا نشان۔

عشق عباس کو تھا شاہ شہیداں سے اسیر
اس لئے تعزیے کے ساتھ علم ہوتا ہے [4]

عَلَم: اسلامی تاریخ — بلکہ معلوم انسانی تاریخ — میں ہمیشہ ایک منفرد امتیازی شان کا حامل رہا ہے — اور جنگ و امن ہر صورت میں اس کی اہمیت مسلم رہی ہے۔

قابیل نے اپنے حسد و رقابت کی بنا پر جناب ہابیل کو شہید کر دیا تو ان کے بھائی "شیث" نے اپنے بھائی کا قصاص لینے کا ارادہ کیا — اور کچھ عرصہ کے بعد دونوں کے درمیان باقاعدہ جنگ ہوئی، اگرچہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسی بڑی آبادی تھی نہ لشکر، سپاہی، مگر اربابِ تاریخ نے لکھا ہے کہ:

اِنَّ اَوَّلَ حَرْبٍ كَانَتْ بَيْنَ بَنِيْ آدَمَ: مَا كَانَ بَيْنَ شِيْثٍ وَ قَابِيْلَ وَذٰلِكَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى اَهْدٰى اِلَيْهِ حُلَّةً بَيْضَاءَ وَرَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ رَايَةَ الْبَيْضَاءِ، فَسَلَّطَتِ الْمَلَائِكَةُ بِقَابِيْلَ وَحَمَلُوْهُ اِلٰى عَيْنِ الشَّمْسِ وَمَاتَ فِيْهَا وَصَارَتْ ذُرِّيَّتُهٗ عَبِيْدَ الشِّيْثِ۔

(اولادِ آدم میں پہلی جنگ جناب شیث اور قابیل کے درمیان ہوئی، خداوند عالم نے اس موقع پر جناب شیث کیلئے ایک سفید حلہ بھیجا تھا اور فرشتے، سفید پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔

---

[4] مہذب اللغات: مطبوعہ: نظامی پریس لکھنؤ، جلد ۸، صفحہ ۱۱۴۰، ۱۱۴۲

پھر فرشتوں نے قابیل کو جکڑ کر عین الشمس (نامی جگہ) پہونچا دیا، جہاں اُس کی موت واقع ہوئی اور اس کی اولاد جناب شیث کی غلامی میں دے دی گئی۔ ؎

●

اس روایت سے یہ اندازہ تو نہیں ہوتا کہ جناب شیثؑ کے ساتھ کتنے لوگ تھے (ممکن ہے کہ حضرت آدمؑ کے جو فرزند اُس وقت تک دنیا میں آ چکے تھے، سب موجود ہوں، اور دوسری طرف قابیلؑ اور اس کی اولاد ہو۔

البتہ یہ بات واضح ہے کہ جناب شیثؑ جو مظلوم کا انتقام لینے اٹھے تھے اُن کی مدد و نصرت کیلئے خداوندِ عالم نے فرشتوں کو بھیجا اور اُن فرشتوں کے ہاتھ میں سفید رنگ کا پرچم تھا، گویا یہی عَلَم کی ابتدا ہے)

عربی ادب میں، عَلَم کے سلسلہ میں، دو لفظ بہت سے مواقع پر استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) "رایت" — اور (۲) "لواء"

رایت کا تذکرہ، مذکورہ بالا روایت کے اندر موجود ہے۔

؎ ۔ حوالہ کیلئے دیکھئے : مناقب ابن شہر آشوب، مطبوعہ بمبئی، جلد ۳ صفحہ نمبر ۱۵۹۔
مذکورۂ بالا روایت، اگر صحیح ہو تو اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:
(۱) ۔ خداوندِ عالم شہید کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیتا — جناب ہابیلؑ چونکہ بے جرم و خطا شہید کئے گئے تھے، اس لئے قدرت نے جناب شیثؑ کے ذریعے اس کا انتقام لیا۔
(۲) ۔ چونکہ بھائی کا بھائی کو قتل کرنا پسندیدہ عمل نہیں ہے، اس لئے یہ کام فرشتوں سے لیا گیا، انھوں نے قابیلؑ کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک وادی میں پہنچا دیا جہاں اس کی موت واقع ہوئی۔
(۳) ۔ یہ واقعہ، جناب ہابیلؑ کی شہادت کے اتنے عرصہ بعد کا ہے کہ قابیلؑ کی اولاد زمین پر آباد ہو چکی تھی۔
(۴) ۔ قابیلؑ کی اولاد، اگرچہ جناب ہابیلؑ کے قتل میں شریک نہ تھی، پھر بھی اس کے عمل پر راضی رہنے کی وجہ سے شریکِ جرم قرار دے کر اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر نشانِ عبرت بنایا گیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ظالم کے ظلم پر راضی رہنا بھی جرم میں شرکت کے مانند ہے۔

جب کہ لواء کے بارے میں اربابِ تاریخ کا بیان ہے کہ :

اَلْعَلَمُ هِیَ "لِوَاءٌ" وَضَعَهَا خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ فِی الْعَالَمِ۔

(عَلَم وہ پرچم ہے جسے دنیا میں (سب سے پہلے) ابراہیم خلیل خدا نے مقرر فرمایا۔ ؎

(۱)

بعض اربابِ قلم کا بیان ہے کہ :

"لواء، اُس عَلَم کا نام ہے جس میں نیزے کے اوپر ایک پرچم لہرا رہا ہو۔ ؎ روزِ محشر کے واقعات میں لِوَاءُ الْحَمْد " کا تذکرہ معروف ہے۔

●

وہ "عَلَم" جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایجاد ہے، اسی خاندان میں، بلکہ اور آپ کی نسل میں وہ افراد جو قوم کے سید و سردار تسلیم کئے گئے، اُن ہی کے پاس رہا۔

ایک وقت آیا جب "رایت" — اور "لواء" کی تقسیم، پرچم بردار کے منصب کے اعتبار سے الگ الگ ہونے لگی۔

البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں "قصی بن کلاب" نامی جلیل القدر شخصیت کے ہاتھ میں، دونوں پرچم تھے، بعد میں دو خاندانوں میں ان کو تقسیم کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام دونوں پرچموں کے وارث قرار پائے۔

صاحبِ مناقب لکھتے ہیں :

اِتَّفَقَ اَهْلُ النَّقْلِ وَاَرْبَابُ اَهْلِ السِّیَرِ اَنَّهُ كَانَتْ رَایَةُ قُرَیْشٍ وَلِوَاءُهَا جَمِیْعًا بِیَدِ قُصَیِّ بْنِ كِلَابٍ۔

؎ ۔ حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے، "آداب المجالس" صفحہ ۲۰ ۔ ؎ ملاحظہ فرمائیے "مجمع الطالب"

ثُمَّ لَمْ تَزَلِ الرَّايَةُ فِي يَدَيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَلَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ أَقَرَّهَا فِي بَنِي هَاشِمٍ، وَدَفَعَهَا إِلَى عَلِيٍّ فِي أَوَّلِ غَزْوَةٍ حُمِلَتْ فِيهَا، وَهِيَ: وَدَّانُ، فَلَمْ تَزَلْ مَعَهُ، وَكَانَ اللِّوَاءُ يَوْمَئِذٍ فِي عَبْدِ الدَّارِ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ، فَاسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ وَدَفَعَهَا إِلَى عَلِيٍّ، فَجُمِعَ يَوْمَئِذٍ لَهُ الرَّايَةُ وَاللِّوَاءُ، وَهُمَا أَبْيَضَانِ۔

(ابن بختری، اور تمام اہلِ سیرت کا اتفاق ہے کہ:

قریش کے (دونوں پرچم)، "رایت" اور "لواء" قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں تھے۔

پھر "رایت" تو مستقل طور سے جنابِ عبد المطلبؑ کے پاس رہا۔

اس کے بعد جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مبعوث برسالت ہوئے تو آپ نے اسے بنی ہاشم کے پاس ہی رکھا۔

اور سب سے پہلا غزوہ جس کا نام "ودان" ہے اس کے موقع پر آپ نے وہ پرچم حضرت علیؑ کے سپرد کیا، پھر وہ ہمیشہ اُن ہی کے پاس رہا۔

اُس زمانہ میں "لواء" عبد الدار کے خاندان میں رہتا تھا، جسے حضرت رسولِ خدا نے مصعب بن عمیر کو مرحمت فرمایا۔

اور جب جنگِ اُحد میں مصعب بن عمیر کی شہادت واقع ہو گئی تو آنحضرتؐ نے "لواء" بھی حضرت علی علیہ السلام ہی کو دے دیا۔

اس طرح لواء اور رایت نامی دونوں پرچم آپ ہی کے پاس آگئے، اور دونوں ہی سفید رنگ کے پرچم تھے) [1]

---

[1] حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے: مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی اور ارشاد شیخ مفید، جلد ۱ ص ۳۲

فردوس الاخبار دیلمی کی روایت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جس طرح دنیا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عَلَم امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھوں میں رہا، اسی طرح آخرت میں بھی حضورؐ کا علم مبارک آپ ہی کے ہاتھوں میں ہوگا۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے جنابِ امیرؑ کو مخاطب کر کے فرمایا:

.. أَنْتَ صَاحِبُ لِوَائِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

(تم ہی دنیا و آخرت میں میرے پرچم (کو اٹھانے) والے ہو)

جنابِ ابنِ عباس کہا کرتے تھے کہ:

حضرت علیؑ کی چار خصوصیات ایسی ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں:

(۱) ۔ تمام عرب و عجم میں حضرت رسولِ خدا کے ساتھ سب سے پہلے، صرف حضرت علیؑ نے نماز پڑھی۔

(۲) ۔ حضورِ اکرم کا عَلَم ہر جنگ میں آن ہی کے ہاتھ میں رہا۔

(۳) ۔ جنگِ اُحد اور غزوۂ حُنین وغیرہ میں جب لوگ پیغمبرِ اکرم کو چھوڑ کر میدان سے فرار ہو گئے، تو بھی حضرت علیؑ پیغمبرِ اکرم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

(۴) ۔ اُن ہی نے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو غسل دیا اور قبر میں اتارا [1]۔

یہ روایت علامہ عبد البر نے استیعاب فی فضائل الاصحاب میں بھی لکھی ہے۔

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیے، ارجح المطالب (عبید اللہ امرتسری) صفحہ ۵۰۳

اور جامع ترمذی میں بھی موجود ہے۔
الفاظ حدیث یہ ہیں:

هُوَ الَّذِیْ کَانَ لِوَاءُہٗ مَعَہٗ فِیْ کُلِّ زَحْفٍ

ہر جنگ میں حضورؐ کا علم آپ ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔[۱]

اور جلیل ابن عباس نے حضرت علی علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

کَانَ اٰخِذًا رَایَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَوْمَ بَدْرٍ وَالْمَشَاهِدِ کُلِّهَا

جنگِ بدر اور تمام معرکوں میں حضورِ اکرمؐ کا پرچم آپ ہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔[۱]

بعض تاریخوں میں سعد بن عبادہ کی علمبرداری کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے، جس کا جائزہ لیتے ہوئے برادران اہلسنت کے ایک ممتاز محقق ثعلبہ بن ابی مالک نے لکھا ہے کہ:

کَانَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ صَاحِبَ رَایَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّهَا فَاِذَا کَانَ وَقْتُ الْقِتَالِ اَخَذَهَا عَلِیٌّ۔

(حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم، ہر جگہ سعد بن عبادہ کے پاس ہوا کرتا تھا، لیکن جب جنگ کا وقت ہوتا تھا تو اسے حضرت علیؑ (اپنے ہاتھ میں) رکھتے تھے)

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حالتِ امن میں پرچمِ رسولؐ کی حفاظت

[۱] ارجح المطالب (حبیب اللہ امرتسری) صفحہ ۵۵۳

سعد بن عبادہ کے ذمہ تھی، اور جب معرکۂ کارزار گرم ہوتا دین خدا کا علم، حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

کربلا کے معرکۂ کارزار میں، دین خدا کا علم، امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی تمناؤں کا مرکز قمر بنی ہاشم حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام کے ہاتھوں میں تھا اور آپ نے اسے کچھ ایسی منفرد شان سے اٹھایا کہ صدیاں گذر جانے کے باوجود، اس کے ساتھ آپ ہی کا نام نامی وابستہ ہے۔

مورخین نے عاشورہ کے واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے زہیر قین کو میمنہ کا سردار مقرر کیا، اور جناب حبیب ابن مظاہر کو میسرہ کا۔ اور علم لشکر اپنے بھائی قمر بنی ہاشم، عباسؑ کو مرحمت فرمایا[۱]

جس کو ملک الشعراء منشی امیر مرحوم نے اپنے اشعار میں یوں نظم کیا ہے

بترتیب سپہ شاہ پرداخت
بتزئین کواکب ماہ پرداخت

ہر دو زہیر را میمنہ تافت
حبیب ابنِ مظاہر میسرہ یافت

علم در دست عباس دلاور
نشانِ حمزہ در فوج پیمبرؐ

یہاں اس بات کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا کہ:

[۱] ملاحظہ فرمائیے: تاریخ کامل ابن اثیر جزری اور دیگر تاریخی کتب۔

جیسا کہ تاریخی حوالوں سے یہ واضح کیا کہ حضرت رسولِ خدا کی حیاتِ طیبہ میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں اُن میں دینِ خدا کا علم امیرالمومنین حضرت علیؑ ابنِ ابیطالب کے دستِ مبارک میں ہوتا تھا، اور جنگِ بدر سے فتح مکہ تک — اور اُس کے بعد کی تمام جنگوں میں آپ ہی علمدارِ لشکرِ اسلام تھے۔

لیکن حضرت عباسؑ نے عاشور کے دن کربلا میں دینِ اسلام کے علم کو کچھ ایسی منفرد شان سے بلند کیا کہ اب جب بھی لفظ "علمدار بولا جائے" ذہن فوری طور پر آپ ہی کی طرف جائے گا۔

بلکہ جیسا کہ ابتدا میں حوالہ دیا گیا، اہلِ لغت جب لفظ علمدار کی تشریح کرتے ہیں تو اس لفظ کے معنی بیان کرتے ہوئے حضرت عباسؑ ہی کا نام لیتے ہیں۔

بقول شاعر:

خدا گواہ وہی کربلا کا ہے فاتح
کہ جس کے نام کا لہرا رہا ہے علم

وفاداری

"وفا — انسانی اوصاف میں سے ایک عظیم وصف ہے۔ یہاں تک کہ اگر انسان کے علاوہ کسی اور مخلوق میں بھی یہ صفت پائی جائے تو اُسے قابلِ تعریف قرار دیا جاتا ہے"

اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ:

"وفا: ایفائے عہد، دوستی — عہد کو پورا کرنا۔
(مجازاً) محبت، مروت۔

جبکہ بعض اہلِ لغت نے لکھا ہے کہ:

"وفا: تعمیل، تکمیل، پورا کرنا۔ نباہ کرنا۔ ساتھ دینا۔

ایک اور تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

"وفا: یعنی، خیر خواہی، عقیدت مندی، دیانت، ارادت مندی"...

اسی مناسبت سے محبت و مروت کے ختم ہو جانے کے موقع پر کہا جاتا ہے کہ:

"وفا اُٹھ گئی۔" "وفا رخصت ہو گئی"۔

اور سچے دوست کو وفادار اور باوفا کہا جاتا ہے — بقول شاعر

کیا کیا وفا پرست جہاں سے گزر گئے
قائل ہے کائنات بڑا کام کر گئے

(مہذب اللغات جلد ۱۲، صفحہ ۲۹۶)

اسی مناسبت سے لفظ "وفاداری"۔ دیانت داری اور محبت و عقیدت کے

کے معنی میں ہی بولا جاتا ہے اور وفاشعار اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی فطرت میں وفاداری اس طرح سمٹی ہوئی ہو کہ اُسکے خلاف تو گویا کر ہی نہ سکتا ہو۔

جیساکہ شاعر نے حضرت عباسؑ کے گھوڑے کی توصیف کرتے ہوئے کہا ہے،

وفاشعار تھا صاحبِ وفا تھا گھوڑا
دہن کو تر نہ کیا گو کہ تھا بہت پیاسا

قرآن: مالکِ دوجہاں کی نازل کردہ وہ آفاقی کتاب ہے جس میں انسانیت کو ارتقاء و کمال کی اعلیٰ منزل تک پہونچانے کی سعی مسلسل کی گئی ہے، اس لئے مالکِ دوجہاں کی اس بابرکت کتاب میں وفا اور اہلِ وفا کا تذکرہ جابجا نظر آتا ہے اور ان لوگوں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے جن کی زندگی کا شعار وفاداری ہو۔ اور جو اپنے قول و عمل، رفتار و گفتار اور سیرت و کردار کے ذریعہ سے اس نقش کو اُجاگر کرتے ہوئے نظر آتے ہوں

چنانچہ پروردگارِ عالم نے اپنے خلیل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی۔ (اور ابراہیمؑ جنہوں نے وفاداری کی)

(سورہ النجم آیت ۳۷)

(وہ) عظیم پیغمبر جنہوں نے خدا کے تمام عہد اور پیمانوں کو پورا کیا، اس کے پیغامات کو ادا کیا، اس کے دین کی تبلیغ کے سلسلے میں کسی مشکل، تہدید اور آزار سے ہراساں نہیں ہوئے۔

جو کئی امتحانات سے گذرے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے کو خداوندِ عالم کے حکم سے قربان گاہ میں لے گئے، اور (خوشنودیِ خدا کے لئے) اس کے گلے پر

چھری رکھ دی۔

ان تمام امتحانات سے سربلند اور سرفراز و سرخرو ہو کر نکلے اور خداوندِ عالم نے انھیں خلق کی رہبری اور امامت کا بلند درجہ عطا فرمایا۔

جیساکہ سورہ مبارکہ البقرہ میں ارشاد ہوا۔

واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال: انی جاعلک للناس اماما۔

(اور اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو اُن کے پروردگار نے کچھ کلمات (احکام) کے ذریعہ سے آزمایا۔

اور انھوں نے ان کو پورا کر دکھایا تو خداوندِ عالم نے فرمایا:

"میں تمہیں لوگوں کا امام قرار دے رہا ہوں۔"

وفیٰ۔ (وفاداری فرمائی)۔ کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ:۔

بَذَلَ نَفْسَهٗ لِلنِّیْرَانِ، وَقَلْبَهٗ لِلرَّحْمٰنِ، وَوَلَدَهٗ لِلْقُرْبَانِ، وَمَالَهٗ لِلْاِخْوَانِ

(حضرت ابراہیمؑ نے راہِ خدا میں اپنی جان کو آگ کے حوالے، اپنے دل کو خدا کے حوالے، اپنی اولاد کو قربانی کیلئے، اور اپنا مال اپنے بھائیوں (اور دوستوں) کے سپرد کر دیا۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے،
تفسیر نمونہ جلد ۲۲، صفحہ ۴۵۶)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (برادرانِ اہلسنت کے نہایت جلیل عالمِ دین سمجھے جاتے ہیں)
انہوں نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ:
"وفّٰی - یعنی: اللہ کے احکام کی پوری پوری تعمیل کی تھی،
بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
رب کے پیغام کو مخلوقات تک پہونچاتے رہے۔
طرح طرح کی تکلیفیں لوگوں کے ہاتھوں اٹھائیں اور صبر کیا، یہاں تک کہ نمرود کی
آگ میں بھی آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔
خداوندِ عالم نے متعدد احکام دے کر آپ کی آزمائش کی اور آپ نے تمام احکام کو پورا
پورا ادا کر دیا۔

(ملاحظہ فرمایئے،
تفسیر مظہری جلد ۹، صفحہ ۱۶۹)

اور قرآنِ مجید کی متعدد آیات میں "وفاء" کو اہلِ ایمان کی ایک مخصوص اور قابلِ
تحسین صفت قرار دیا گیا ہے۔
ارشادِ قدرت ہے:
بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ
(البتہ جو شخص اپنے عہد و پیمان کی وفا کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے
تو (سمجھ لے کہ) خداوندِ عالم، پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے)
(سورہ آلِ عمران آیت ۷۶)

(کیونکہ) ۔۔ اللہ کے ہاں جو مرتبہ و مقام ہی ہے وہاں لوگوں کے لئے ہے، جو خدا

سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کریں۔
اور ہر طرح کے حالات میں اس عہد کے تحت قائم کردہ حدود کی نگہداشت کریں۔
(تفسیر تدبر القرآن جلد ۲، صفحہ ۲۰۲)

اور سورہ مبارکہ البقرہ میں تو پروردگارِ عالم کی طرف سے واضح اعلان کر دیا گیا ہے کہ:
"تم میرے عہد و پیمان کو پورا کرو، میں تم سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کروں گا۔"
چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:
واوفوا بعهدی اوف بعهدکم۔
(تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا)
(سورہ البقرہ آیت ۴۰)
یہ فقرہ فطرت کے اصول کے عین مطابق ہے، کیونکہ اگر دو افراد کے درمیان
کوئی عہد و پیمان ہوا ہو اور ایک اپنے عہد و پیمان کو پورا کر دے، تو دوسرے پر بھی اپنے
عہد و پیمان کو پورا کرنا لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے)

سقائے حرم

"سقائی": یعنی کسی کو پانی پلانا، سیراب کرنا۔

لغت کی معتبر کتاب: "مصباح اللغات" کے مؤلف نے لکھا ہے:

"استقی استقاءً": پانی پینے کے لئے دینا۔ سیراب کرنا"

"ساقاہ وتساقیا": ایک دوسرے کو پلانا۔

"السَّقاء" — بہت پلانے والا۔

(مصباح اللغات صفحہ ۴۰۴، ۴۰۵)

اور صاحب مہذب اللغات نے لکھا ہے کہ:

"سقّا": پانی پلانے والا — (عربی، مذکر، فصیح، رائج)

اور سقّائی" — پانی پلانے، پلانے کا کام — (فارسی، مؤنث، فصیح، رائج)

پھر شاہد مثال کے طور پر آپ نے مندرجہ ذیل شعر بھی درج کیا ہے

وہ پیاس کا اندوہ ہے اولادِ نبیؐ کو
سقائی گوارا ہوئی عباس علیؑ کو

ملاحظہ فرمایئے: مہذب اللغات جلد ۶ صفحہ ۳۳۲

اور اسی مناسبت سے حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو "ساقی کوثر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کیونکہ جب روزِ محشر تمازتِ آفتاب اپنی انتہا کو پہونچی ہوئی ہوگی، پیاس کی شدت سے لوگوں کی زبانیں اُن کے دہن سے باہر نکلی پڑی ہوں گی اس وقت خداوند عالم کی طرف سے اہلِ ایمان کی تشنگی دُور کرنے کی اجازت دی جائے گی اور اُس اجازت کی روشنی میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے جناب امیرؑ صاحبانِ ایمان کو جامِ کوثر سے سیراب کریں گے۔

چنانچہ صاحب مہذب اللغات نے لکھا ہے کہ:

"ساقیِ کوثر" حضرت علی علیہ السلام کا لقب ہے۔

اہلِ تشیع کا یہ عقیدہ ہے کہ خداوندِ عالم نے رسالت مآبؐ کو کوثر عطا کیا ہے، اور اس کے ساقی حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔

اسی مناسبت سے شاعر نے کہا ہے

احسان کر اللہ دبیرؔ کا تصدق
پانی دے مجھے ساقیِ کوثرؑ کا تصدق

یہاں اس بات کا ذکر بھی نامناسب نظر نہیں آتا کہ:

قرآن مجید میں خالقِ دوجہاں کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

(ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے قرار دیا ہے)

سورۃ الانبیاء ۔ آیت ۳۰

جس کے ذیل میں مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ:

"تمام زندہ موجودات کی حیات — خواہ وہ نباتات ہوں یا حیوانات — پانی کے ساتھ وابستہ ہے۔

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ :
موجودہ زمانہ کے محققین اور سائنسدان یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ :
سب سے پہلا جانور سمندروں کی گہرائیوں میں پیدا ہوا — اسی بنا پر وہ زندگی اور حیات کا آغاز، پانی سے سمجھتے ہیں۔
اور اگرچہ قرآن مجید میں، انسان کی ابتدا مٹی کو قرار دیا گیا ہے — لیکن اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ :
مٹی سے مراد طین (گارا) ہے جو پانی اور مٹی سے مل کر بنتا ہے۔
یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ :
دانشمند محققین کی تحقیق کے مطابق، انسان کے بدن، اور حیوانات کے بدن کا زیادہ حصہ پانی ہی سے بنا ہے۔
ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ پانی کا ذائقہ کیا ہے؟
تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ :
سَلْ تَفَقُّهًا وَلَا تَسْأَلْ تَعَنُّتًا — سمجھنے کے لئے سوال کرو بہانہ سازی کیلئے نہیں۔
اس کے بعد فرمایا :
طَعْمُ الْمَاءِ طَعْمُ الْحَيَاةِ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ : وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ
"پانی کا ذائقہ وہی ہے جو حیات کا ذائقہ ہے۔
خداوندِ عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے کہ :
"ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے قرار دیا ہے۔"
انسان اگر گرمی کے موسم میں کافی دیر پیاسا رہے، اُس کے بعد اسے خوشگوار پانی میسر آجائے تو جُوں ہی وہ پانی کا پہلا گھونٹ پیتا ہے اُسے یوں محسوس ہوتا ہے گویا اس کے بدن میں پھر سے جان پڑ گئی۔
(تفسیر نمونہ جلد ۱۳، صفحہ ۲۹۷)

نجف اشرف کے ممتاز صاحبِ قلم جناب عبدالرزاق مقرم نے لکھا ہے کہ :
قیصرِ روم نے امیرِ شام کے پاس ایک شیشے کا پیالہ بھیجا، اور کہلایا کہ اس میں ہر چیز بھر دو۔
امیرِ شام اس معمہ کو حل نہ کر سکا کہ ایک پیالے میں ہر چیز کیسے بھر دے!
مجبوراً اُس نے "باب مدینۃ العلم" امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے در کے سوالی، جناب ابنِ عباس سے اس معمّے کو سلجھانے کی درخواست کی۔
جناب ابنِ عباس نے جناب امیرؑ کے علم سے کسبِ فیض کرتے ہوئے اُسے بتایا کہ :
"اس پیالے میں پانی بھر دو — کیونکہ (قرآن مجید میں خالقِ دو جہاں نے فرمایا ہے کہ) اُس نے ہر زندہ چیز کو پانی سے قرار دیا ہے۔
جس وقت، وہ پانی سے بھرا ہوا شیشے کا برتن، قیصرِ روم کے پاس پہونچا تو وہ جناب ابنِ عباس کی ذہانت و ذکاوت سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔
(حوالہ کیلئے دیکھئے
کامل مبرد جلد ۲، صفحہ ۴۸
تہذیب الکمال جلد ۲، صفحہ ۲۹۹)

"پانی" — چونکہ شہ رگِ حیات کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اگر کسی نے سقائی کا ذریعہ سنبھال لیا، تو گویا وہ خود ایک سرچشمۂ فیض بن گیا۔
ایسا انسان جو کسی کو پانی پلائے، یقین رکھنا چاہیئے کہ اس کے سینے میں محبت و عطوفت سے بھرا ہوا دل ہے، اُس کے اندر مہر و محبت سے لبریز قلب پایا جاتا ہے۔
"سقائی" — درحقیقت ایک سعادت ہے جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔
اور "سقائی" — اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ سقا کے دل میں صرف اپنی حیات کی آرزو نہیں، بلکہ وہ دوسروں کی حیات کا بھی خواہاں ہے۔

شریعت میں سقائی کی بہت اہمیت ہے، اگر شریعت انسان کو اس نکتہ کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ اسلام ایک دینِ فطرت ہے تو دوسری طرف اس نکتہ کی طرف بھی متوجہ کر رہی ہے کہ "سقائی" اسلام کا ایک حکم ہے جس سے خداوندِ عالم کی رضا حاصل کی جاتی ہے، اور سقائی کرنے والا خدا کے یہاں آخرت میں اجرِ عظیم کا حقدار قرار پاتا ہے۔

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ عِنْدَ اللّٰهِ اِبْرَادُ الْكَبِدِ الْحَرّٰى مِنْ بَهِيْمَةٍ وَغَيْرِهَا

(خداوندِ عالم کے نزدیک بہترین عمل، تشنہ جگر کو ٹھنڈک پہونچانا ہے چاہے وہ (انسان ہو) یا حیوان وغیرہ۔

(وسائل الاسلام جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"خداوندِ عالم، پانی پلانے والے شخص کو، ہر قطرۂ آب کے عوض ہیم وزر، اور سر بمہر شرابِ طہور مرحمت فرمائے گا، اور اگر کسی نے صحرا و بیابان میں کسی کو سیراب کیا تو وہ شخص انبیائے کرام کے ساتھ حوضِ کوثر پر وارد ہوگا۔"

(مستدرک الوسائل جلد ۲ صفحہ ۳۳۹)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

مَنْ سَقَى الْمَاءَ فِيْ مَوْضِعٍ يُوْجَدُ فِيْهِ الْمَاءُ كَانَ كَمَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً وَمَنْ سَقَى الْمَاءَ فِيْ مَوْضِعٍ لَا يُوْجَدُ فِيْهِ الْمَاءُ كَانَ كَمَنْ اَحْيٰى نَفْسًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا.

جو شخص، ایسی جگہ، جہاں پانی موجود ہو، لوگوں کو پانی پلائے، تو گویا اس نے راہِ خدا میں غلام آزاد کیا، اور جو شخص کسی ایسی جگہ لوگوں کو پانی پلائے، جہاں پانی موجود نہ ہو، تو گویا اس نے ایک شخص کو زندگی عطا کر دی، اور جو کسی ایک شخص کو زندگی عطا کرے اس نے گویا بنی نوعِ انسان کو زندگی بخشی)

مکارم الاخلاق ص ۱۳۶

(استفادہ از: صحیفہ رضا ص ۲۳ - ۳۶)

اس حدیثِ مبارک سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سقائی۔ (کسی کو پانی پلانے کی) نگاہِ قدرت میں کیا قدر و منزلت ہے، کہ:

اگر دوسرے شخص کے پاس پانی موجود ہو، اور کوئی اُسے پانی پلا دے تو گویا اس نے خدا کی راہ میں ایک غلام آزاد کر دیا۔

اور اگر اس شخص کے پاس پانی موجود نہ ہو (یا جگہ ایسی ہو جہاں پانی موجود نہ ہو) اور یہ شخص اس سخت صورتِ حال میں کسی کو پانی پلائے تو گویا اس نے انسانی زندگی کو تلف ہونے سے بچا لیا، اور صرف ایک شخص کو نہیں بلکہ بنی نوعِ انسان کو بچا لیا۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ "سقایت" اسلامی تاریخ کا ایک منفرد منصب بھی ہے۔ جو ان لوگوں کو عطا کیا گیا جو حجاجِ کرام کو سیراب کرنے کا سامان کرتے، اور زمزم سے حاصل ہونے والے پانی کو دوسرے بندگانِ خدا تک پہونچانے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

"زمزم" جسے عام طور سے "چاہِ زمزم" کہا جاتا ہے جس کی تاریخ بیان

کہتے ہیں کہ صاحبانِ تحقیق نے لکھا ہے کہ:

خانۂ کعبہ کے مشرق میں، مسجد الحرام کے اندر ایک تاریخی کنواں، جسے خالقِ کائنات نے ایک نبی (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی ایڑیوں کے ذریعہ نمودار کیا۔

جس وقت پیاس کی شدت سے آپ نے زمین پر ایڑیاں رگڑنا شروع کیں، تو پروردگارِ عالم کو اس شیر خوار بچے کی بے چینی پر ایسا رحم آیا کہ اس نے آپ کے قدموں کے نیچے سے ایک چشمہ جاری کر دیا۔

جسے "زمزم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور گذشتہ تقریباً پانچ ہزار برس سے کروڑوں بندگانِ خدا اس سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔"

(رجوع: فضائل، تاریخ، احکام، آداب صفحہ ۲۱)

مکہ کی وہ بے آب و گیاہ زمین، جہاں اس چشمہ کے اُبلنے سے قبل کوئی آبادی نہیں تھی، جب یہ چشمہ اُبلا اور بہتا چلا گیا، یہاں تک کہ پانی کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا، تو پیاسے پرندے اس پر منڈلانے اور سب اس سے سیراب ہونے لگے۔

دور دراز سے گذرتے ہوئے ایک قافلے نے جب یہ دیکھا کہ ایک جگہ پرندے بڑی تعداد میں منڈلا رہے ہیں تو انہوں نے اندازہ لگایا کہ یہاں ضرور کہیں پانی موجود ہے جس کے اردگرد یہ پرندے منڈلا رہے ہیں

چنانچہ، قافلہ والوں نے، جن کا تعلق بنی جرہم سے تھا، قریب جا کر دیکھا تو پانی کا بہت بڑا ذخیرہ نظر آیا، جس کے قریب ہی جنابِ ہاجرہ اپنے شیر خوار بچے اسمٰعیل کے ساتھ موجود تھیں، اور حضرت ابراہیمؑ کے فرمان کے مطابق حکمِ خدا کا انتظار کر رہی تھیں۔

قافلے والوں نے جنابِ ہاجرہ سے پانی کے قریب ٹھہرنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے فرمایا کہ خلیلِ خدا حضرت ابراہیمؑ آئیں گے تو اجازت دیں گے۔

جب حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے اور قافلے والوں کو پانی کے قریب ٹھہرنے کی اجازت دی تو اس جگہ انسانی آبادی شروع ہوئی جو صدیوں کا سفر طے کر چکی ہے اور مکہ مکرمہ جیسا عظیم الشان شہر آباد ہو چکا ہے۔

چونکہ اس شہر کی آبادی "زمزم" کی مرہونِ منت تھی اس لئے اس چشمۂ آب کو اہلِ عرب کے نزدیک ہر دور میں تقدس اور احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا

پھر جب خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد حکمِ خدا کے مطابق جنابِ ابراہیمؑ نے حج کا اعلان کیا۔ تو پھر یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ،

۹ ذی الحجہ کو حجاجِ کرام عرفات میں جمع ہوں گے جو ایک میدان کے علاوہ کچھ نہیں ہے، وہاں اُن کے لئے پانی کا انتظام ضروری ہے۔

چنانچہ ۸ ذی الحجہ کا دن اس عمل کیلئے مقرر کر دیا گیا کہ اس دن مکہ مکرمہ سے پانی لے جا کر عرفات میں ذخیرہ کر دیا جائے تاکہ جب ۹ ذالحجہ کو حجاج اس میدان میں، اپنے حج کے عظیم الشان رُکن کی ادائیگی کے لئے جمع ہوں تو انہیں پانی کی کوئی زحمت نہ ہو۔

اسی مناسبت سے ۸ ذی الحجہ کو "یَوْمُ التَّرْوِیَہ" (پانی بہم پہنچانے کا دن سیرابی کا انتظام کرنے کا دن) کہا جاتا ہے۔

حضرت عباسؑ علمدار کے آباؤ اجداد نے اس سلسلہ میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ کی نسل میں جو بزرگان گذرے ہیں وہ اس خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے یہاں تک کہ سلسلہ بہ سلسلہ یہ خدمت جنابِ عبد مناف تک پہونچی اُن سے جنابِ ہاشم کو منتقل ہوئی، اور اُن کے بعد جنابِ عبدالمطلبؑ اس کے ذمہ دار قرار پائے۔

جنابِ عبدالمطلبؑ کے بعد جب حضرت ابوطالبؑ، خانۂ کعبہ کے متولی ہوئے تو آپ نے حاجیوں کے لئے بہت بڑے پیمانے پر پانی کا انتظام کیا، ہر اُس شاہراہ پر جو مکۂ مکرمہ کی طرف منتہی ہوتی تھی بڑے بڑے حوض بنوائے، تاکہ موسمِ حج اور اس کے علاوہ بھی مکۂ مکرمہ آنے والوں کو پانی کی کمی کا احساس نہ ہو۔

عرفات و مشعر الحرام میں بھی آپ نے خصوصی پیمانے پر پانی کی سبیلیں رکھوائی تھیں جس کی وجہ سے آپ کو ساقی "پانی پلانے والا" کہا جانے لگا۔

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

حضرت ابوطالبؑ کو حجاجِ کرام تک میٹھا اور خوشگوار پانی پہونچانے کی اتنی زیادہ فکر رہتی کہ آپ اس کے لئے خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

حجاجِ کرام کے لئے، مکۂ مکرمہ سے، عرفات کے میدان میں جو پانی پہونچایا جاتا تھا اگر آپ نے کبھی محسوس کر لیا کہ مٹھاس سے خالی ہے تو اُسے میٹھا بنانے کے لئے مختلف خصوصی ذرائع استعمال کرتے تھے۔

جب سقائی کا منصب، امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالب کو ملا، تو آپ نے اسے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔

جب دوسروں کے حوصلے اس راہ میں پست اور قدم تھرتھراتے ہوئے نظر آئے تو ایسے حساس مواقع پر بھی آپ نے سقائی کا فریضہ انجام دیا۔

جس کی ایک مثال جنگ بدر میں اس وقت نظر آئی جب مسلمانوں پر پیاس کا شدید غلبہ طاری تھا، لیکن قریش کی دہشت اور خوف کی وجہ سے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تاکید کے باوجود پانی فراہم کرنے کے لئے اپنی جگہ سے جنبش کرنے پر آمادہ نہ تھے

اس وقت مولائے کائنات امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام، حضورِ اکرم کے فرمان کی تکمیل کرتے ہوئے چشمہ آپ تک پہونچ گئے، اور مسلمانوں کو سیراب کیا۔

(مناقب ابن شہر آشوب جلد ۱)

آپ کی سقائی کا ایک اور منظر جنگ صفین کے موقع پر دیکھنے میں آیا، جب آپ کے لشکر کے پہونچنے سے قبل امیرِ شام کے لشکر نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا تھا اور کسی طرح بھی وہ لوگ جنابِ امیرؑ کے لشکر کو پانی دینے پر آمادہ نہ تھے۔

جب آپ کے لشکر کے سپاہیوں پر پیاس کی شدت ہوئی تو آپ نے صعصعہ بن صوحان، اور شبث بن ربعی کے ذریعۂ امیرِ شام کے پاس یہ پیغام بھجوایا کہ،

خداوندِ عالم نے پانی پر اپنی ساری مخلوق کو حق دیا ہے اسلئے تم لوگ گھاٹ سے پہرے ہٹالو۔

لیکن امیرِ شام کی طرف سے جواب آیا کہ ہم آپ کے لشکر کو ایک قطرۂ آب بھی نہ لینے دیں گے۔

جس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ بزورِ طاقت، پانی حاصل کریں۔۔ آپ کے حکم کے مطابق مالکِ اشترؓ اور ان کی فوج نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ شامیوں کے قدم اکھڑ گئے اور آپ کے سپاہیوں نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔

لیکن اس کے بعد امیرِ شام کے لشکر نے آپ سے پانی مانگا تو آپ نے اپنے جانبازوں کو حکم دیا کہ دشمن کے لوگوں کو پانی سے نہ روکا جائے۔ (استفادہ از صحیفۂ وفا، عبدالرزاق مقرم)

قمرِ بنی ہاشم حضرت عباسؑ علمدار کو اپنے پدرِ بزرگوار کی جانشینی میں جہاں علمداری کا منصب ملا، وہیں سقائی بھی آپ کے حصہ میں آئی، خاص طور سے جب ۲ محرم کو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہلِ خاندان اور اصحاب و اعوان کے ساتھ کربلا کی سرزمین پر وارد ہوئے تو خیامِ حسینی تک پانی پہنچانا آپ ہی کے ذمہ تھا، یہاں تک کہ عاشور کے دن اسی راہ میں آپ کے دونوں ہاتھ قلم ہوئے اور شہادت واقع ہوئی۔

مسندِ علم اور حضرت عباسؑ

علم انسانی زندگی کا وہ شرف ہے کہ جب خالقِ کون و مکاں نے انسانِ اوّل کو پیدا کیا، تو اس کے سر پر جو تاج رکھا، وہ علم کا تاج تھا۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا

(اور خدا نے آدمؑ کو تمام کا علم عطا کیا)

(سورہ البقرہ آیت ۳۱)

جس کے ذیل میں، عہدِ حاضر کے بعض اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ:

اسماء سے مراد مسمیات کے نام اور اُن کے خواص و فوائد کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے القاء و الہام کے ذریعے سے حضرت آدمؑ کو سکھلا دیا، پھر جب ان سے کہا گیا کہ:

آدمؑ، اُن کے نام بتلاؤ۔

تو انہوں نے فوراً سب کچھ بیان کر دیا، جبکہ فرشتے بیان نہ کر سکے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمتِ تخلیقِ آدمؑ واضح کر دی، دوسرے یہ کہ دنیا کا نظام چلانے کیلئے علم کی اہمیت و فضیلت بیان فرما دی۔

جب یہ حکمت و اہمیتِ علم فرشتوں پر واضح ہوئی تو انہوں نے اپنے قصورِ علم و فہم کا اعتراف کر لیا۔[1]

---

[1] تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف، صفحہ ۱۸۔

اور خالقِ دو جہاں نے تو اس بات کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ اس نے آیات کی تفصیل و تشریح تو صرف صاحبانِ علم کے لئے کی ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

(ہم اسی طرح آیتوں کو، علم رکھنے والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں)

(سورہ مبارکہ "اعراف" آیت ۳۲)

کیونکہ علم نگاہِ قدرت میں اس قدر شرف و منزلت کا حامل ہے کہ مالکِ دو جہاں نے اپنے محبوب پیغمبر، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی کے ذریعے سے جو کلام نازل کیا اُس کی پہلی آیت:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا) — ہے۔

اور اس آیت کا پہلا فقرہ: "اِقْرَاْ" ہے جو پڑھنے کی تاکید اور علم کی ترغیب دے رہا ہے۔

اور سورہ مبارکہ "رحمٰن" جو نعماتِ الٰہیہ کے ذکر سے لبریز سورہ ہے، اور جسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "عروس القرآن" قرار دیا ہے، اس میں خالقِ کائنات نے اپنی ذات کا تعارف بھی علم ہی کے حوالے سے فرمایا:

ارشادِ قدرت ہے:

اَلرَّحْمٰنُ — عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (رحمٰن (وہ ہے جس نے)

قرآن کی تعلیم دی)

(سورۂ جمعہ آیت ۲)

انبیائے کرام کی اہم ترین دعوت، علم و دانش ہی کی طرف تھی اور انہوں نے جہالت سے بیزاری کا ہر جگہ اعلان کیا ہے۔

آیاتِ قرآنی نے اس حقیقت کو بیان کرنے کیلئے (کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے)

اس کے علاوہ اسلامی روایات میں بہت سی ایسی تعبیریں نظر آتی ہیں کہ جن سے بالاتر، علم کی اہمیت کا (کوئی اور) تصور نہیں ہو سکتا۔

ایک حدیث میں حضرت رسولِ خدا سے منقول ہے کہ:

لَا خَیْرَ فِی الْعَیْشِ اِلَّا لِرَجُلَیْنِ: عَالِمٍ مُطَاعٍ اَوْ مُسْتَمِعٍ وَاعٍ۔

(زندگی کا سوائے دو قسم کے اشخاص کے، کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ایک وہ عالم جس کی اطاعت کی جائے اور دوسرے وہ (لوگ) جو توجہ سے بات سننے والے ہوں) [1]

(۴)

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَذَاکَ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِرْھَمًا وَلَا دِیْنَارًا، وَاِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِیْثَ مِنْ اَحَادِیْثِھِمْ، فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِنْھَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَافِرًا فَانْظُرُوْا عِلْمَکُمْ ھٰذَا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَہٗ، فَاِنَّ فِیْنَا اَھْلَ الْبَیْتِ فِیْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلًا یَنْفُوْنَ عَنْہُ

[1] بحوالہ کافی، جلد اوّل باب: صفۃ العلم وفضلہ، حدیث ۷۔

تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاْوِیْلَ الْجَاھِلِیْنَ۔

(صاحبان علم پیغمبروں کے ورثہ دار ہیں۔ ان پیغمبروں نے (لوگوں کے لئے) درہم و دینار کا ترکہ نہیں چھوڑا، البتہ انہوں نے احادیث چھوڑیں جو اُن کی یادگار ہیں۔ تو جس شخص نے ان میں سے کچھ حاصل کیا، اس نے درحقیقت ایک وافر حصہ پایا۔ اب تم لوگ دیکھو کہ علم کن لوگوں سے حاصل کر رہے ہو۔ یقیناً ہم اہلبیتؑ میں ہر زمانہ میں ایسے عادل (اور قابلِ اعتماد) افراد موجود رہتے ہیں، جو غلو کرنے والوں کی تحریف، منحرف لوگوں کے بے بنیاد دعووں اور جاہلوں کی توجیہات کی نفی (کرکے دین کی حقانیت کو واضح) کرتے ہیں [2]۔

حضرت عباس علمدار کی رگوں میں مولائے کائنات امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ کا خون تھا، جن کے بارے میں ممتاز عالمِ دین اور فرقۂ معتزلہ کے امام جناب ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ:

"کل علوم میں اشرف، علمِ الٰہی ہے، اور یہ حضرت علیؑ ہی کے کلام سے اقتباس کیا گیا، آپ ہی سے منقول ہوا، آپ ہی سے اس کی ابتداء اور آپ ہی تک اس کی انتہا ہوتی ہے۔

عقائد کے اعتبار سے اسلام میں جو مکاتبِ فکر ہیں اُن میں سے ایک معتزلہ ہے، جس کے بانی "واصل بن عطا" ابوہاشم کے شاگرد تھے، ابوہاشم اپنے باپ محمد بن الحنفیہ کے شاگرد تھے، اور محمد بن الحنفیہ اپنے پدر عالی قدر امیرالمومنین

[2] کافی جلد اوّل باب صفۃ العلم وفضلہ حدیث ۲ بحوالہ تفسیر نمونہ جلد ۱۹، صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰۔

حضرت علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کے شاگرد تھے۔

دوسرا مکتبۂ فکر "اشاعرہ" کا ہے جو ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہے جو ابو علی جبائی کے شاگرد تھے اور ابو علی جبائی خود معتزلہ کے مشائخ میں سے ہیں جناب امیرؑ کے شاگرد ہیں اس طرح یہ مکتبۂ فکر بھی بالآخر حضرت امیرالمومنینؑ کے خوشہ چینوں میں قرار پایا۔

اور عقائد کے لحاظ سے امامیہ اور زیدیہ مکتبۂ فکر کا تو جناب امیرؑ کی طرف منسوب ہونا بالکل ہی واضح ہے (کیونکہ یہ لوگ تمام عقائد و اعمال میں آپ ہی سے وابستہ ہیں)

اس طرح فقہ کے باب میں جتنے بزرگانِ ملت تسلیم کئے جاتے ہیں وہ سب آپؑ کے شاگردوں کے شاگرد اور آپ کی اولادِ طاہرینؑ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے والے تھے۔

اسلامی علوم میں سب سے بڑا درجہ تفسیرِ قرآن کا ہے اور یہ علم بھی حضرت علیؑ ہی سے حاصل کیا گیا ہے، جو شخص تفسیر کی کتابیں دیکھے اُسے آسانی سے اس دعوے کی صحت معلوم ہو جائے گی کیونکہ تفسیر کے مطالب زیادہ تر امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اور جناب عبداللہ بن عباس ہی سے منقول ہیں اور جناب عبداللہ ابنِ عباس تو جناب امیرؑ ہی کے مشہور شاگرد ہیں۔ لوگوں نے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ حضرت علیؑ کے مقابلے میں آپ کا علم کتنا ہے؟ تو کہا کہ: جتنا ایک بحرِ ذخار کے مقابلے میں ایک چھوٹا سا قطرہ ہو سکتا ہے۔[2] "

حضرت عباسؑ علمدار جو جناب امیرؑ کی خاص تمنا کے نتیجے میں انکی آرزوؤں کا مظہر بن کر دنیا میں تشریف لائے، مسندِ علم کے بھی تاجدار تھے۔

چنانچہ اربابِ تاریخ نے آپؑ کے علم کے بارے میں معصومین علیہم السلام

[2] شرح ابن ابی الحدید بہ تلخیص

کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ:

إِنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَلِيٍّ زُقَّ الْعِلْمَ زَقًّا.

(حضرت عباسؑ (علمدار) ابنِ علی (مرتضیٰ علیہ السلام) کو علم اس انداز سے دیا گیا جیسے پرندہ اپنے بچے کو دانہ دیتا ہے)[1]۔

و

اس فقرے کی عظمت کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ:

حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے خود اپنے بارے میں یہ جملہ فرمایا تھا کہ:

زَقَّنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ زَقًّا

(اللہ کے رسولؐ نے مجھے (علم) اس طریقہ سے عطا فرمایا جیسے پرندہ اپنے بچے کو دانہ دیتا ہے)

و

پرندہ جب اپنے بچے کو دانہ دیتا ہے تو اُس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسا دانہ وہ صحرائے بیابان یا گلشن و چمنستان سے اٹھاتا ہے ویسا ہی اپنے بچے کے سپرد کر دیتا ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اللہ سے جو علم لیتے گئے وہ امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو عطا فرماتے رہے۔

و

اور یہی کیفیت، اربابِ تاریخ نے حضرت عباس علمدارؑ کی بھی بیان کی ہے اور یہاں تو صورتِ حال یہ ہے کہ زندگی کے ابتدائی ۱۴ سال تک اپنے پدرِ عالیقدر سے علم

[1] اسرار الشہادۃ صفحہ ۳۲۳

ملتا رہا۔ اس کے بعد دس سال تک جوانانِ جنت کے سردار، سبطِ اکبر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے علوم سے کسبِ فیض کرتے رہے، اور اس کے بعد سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے چشمۂ علم سے اپنی تشنگی دور کرتے رہے۔

اور یہ بات بھی، تاریخ کے صفحات پر موجود ہے کہ:

جس طرح امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے پیغمبرِ اکرم کی زبان چوسی تھی اسی طرح حضرت عباس علمدار نے امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان چوسی۔

علم فقہ میں آپ کا مرتبہ
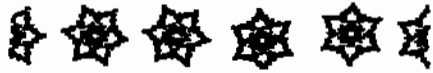
فِقہ کے معنی ہیں: فہم بصیرت۔ الرَّجل فقیہ یعنی صاحب بصیرت انسان، فہم و فراست رکھنے والا شخص۔

صاحب "مصباح اللغات" کی عبارت ہے:

اَلفقہ: کسی چیز کا جاننا اور سمجھنا۔ احکام شرعیہ کا علم اطلا تفصیلہ کے ساتھ۔ معرفت اور زیرکی۔ [1]

"المنجد" میں بھی تقریباً یہی معانی ذکر کئے گئے ہیں کچھ اضافوں کے ساتھ۔ وہ لکھتے ہیں۔

فقہ: سمجھنا۔ علم فقہ سیکھنا اور حاصل کرنا۔ علم میں غالب ہونا۔ سکھلانا، سمجھانا۔

الفقہ:۔ بہت سمجھدار۔ زکی۔ عالم۔ وغیرہ۔ [2]

قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر یہ لفظ سمجھ بوجھ اور بصیرت کے معنی میں ہی استعمال کیا گیا۔

نمونتاً ہم چند آیات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

(۱) جناب موسیٰؑ نے بارگاہِ معبود میں دعا کرتے ہوئے درخواست کی تھی:

---

[1] مصباح اللغات صفحہ ۹۳۲ [2] المنجد صفحہ ۷۵۰

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ
(اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ یہ لوگ میری بات سمجھ لیں)

(سورہ مبارکہ طٰہٰ آیت ۲۵)

(۲) :- خالقِ کائنات نے وضاحت فرمائی ہے کہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ خالقِ دوجہاں کی حمد وثنا کرتی ہیں، لیکن لوگ اسے سمجھ نہیں پاتے۔ اس لفظ سمجھنے کو فقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ
(کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد (وثنا) کی تسبیح نہ کرتی ہو۔
لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے)

(سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۴)

(۳) :- جنابِ ذوالقرنین کے تذکرہ میں ہے کہ جب وہ دنیا کا سفر کرتے ہوئے کاکیشیا اور ترکمانستان وغیرہ کے علاقوں میں پہنچے تو وہاں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو بات نہیں سمجھتے تھے۔
اور بات نہ سمجھنے کے لئے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ:
لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا (وہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے)

(سورہ کہف آیت ۹۳)

(۴) :- جنابِ شعیبؑ تبلیغِ دین کیلئے اُٹھے اور لوگوں کو خدائے واحد کی دعوت

دی، تو ان کی بدبخت قوم نے اُن کو یہی جواب دیا کہ آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور سمجھ کیلئے لفظ فقہ استعمال کیا گیا ہے، قرآن مجید میں ان لوگوں کے قول کی ترجمانی کرتے ہوئے قدرت نے ارشاد فرمایا ہے:
قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ۔
(ان لوگوں نے کہا: "اے شعیبؑ! آپ جو کہتے ہیں ان میں سے زیادہ تر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں)

(سورۂ ھود آیت ۹۱)

(۵) :- خالقِ دوجہاں نے آیات کے نزول اور اُن کی تفاصیل کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ لوگ سمجھ بوجھ سے کام لیں، اس سمجھ بوجھ کیلئے لفظ "فقہ" استعمال کیا گیا ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ
(یقیناً ہم نے آیتوں کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے اُن لوگوں کیلئے جو فہم و فراست سے کام لیتے ہیں)

(سورۂ انعام آیت ۹۸)

اسی طرح قرآن مجید کی ۱۸-۱۹ آیتوں میں لفظ "فقہ" سمجھ بوجھ اور فہم و فراست ہی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔
البتہ جب علوم کے مختلف شعبوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو اصطلاح کے اعتبار سے "علم فقہ" اُس علم کو کہا جاتا ہے جس میں دین کے احکام کی گفتگو ہوتی ہے اور جس شخص نے دین کے احکام کی مہارت یا بالفاظ دیگر پوری فہم و فراست حاصل

کی ہو' اسے "فقیہ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بچپن کے دوست' اور کربلائے معلّٰی کے عظیم المرتبت مجاہد جناب حبیب ابن مظاہر کو خط لکھا' تو انہیں اس لفظ سے یاد فرمایا کہ :

"اَلرَّجُلُ الْفَقِیْہ"

یہ بات تو واضح ہے کہ دین کے احکام کی اتنی مقدار سیکھنا ہر انسان پر واجب ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی عبادات کو بجا لا سکے' اور فرائضِ بندگی کو ادا کر سکے۔

البتہ دین کے احکام میں اتنی مہارت' اور اس قدر فہم و فراست حاصل کرنا کہ وہ مبلغین کے فرائض ادا کرنے کے قابل ہو جائے' ہر شخص پر واجب نہیں قرار دیا گیا' بلکہ اُسے واجبِ کفائی قرار دیتے ہوئے ہر قوم قبیلے کے کچھ افراد پر لازمی قرار دیا گیا' تاکہ معاشرے کی دینی ضروریات پوری ہو سکیں۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے :

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

(اور تمام مومنین کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سب نکل کھڑے ہوں' تو ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ سفر کریں' تاکہ دین میں فہم و فراست حاصل کریں' اور جب واپس جائیں تو اپنی قوم کو متنبہ کریں' ہو سکتا ہے کہ لوگ پرہیز کریں)

(سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲)

جس کے ذیل میں اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ

"اس میں شک نہیں کہ "تفقہ فی الدین" (دین میں فہم و بصیرت) سے مراد : تمام اسلامی معارف و احکام کا حصول ہے' چاہے ان کا تعلق اصولِ دین سے ہو یا فروعِ دین سے' کیونکہ "تفقہ" کے مفہوم میں یہ تمام امور شامل ہیں۔

لہٰذا مندرجہ بالا آیت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ :

مسلمانوں میں سے ایک گروہ ہمیشہ واجب کفائی انجام دینے کے لئے' تمام مسائل میں تحصیلِ علم کرے' اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسلامی احکام کی تبلیغ کے لئے مختلف علاقوں کی طرف جائے' خصوصاً اپنی قوم اور اپنی جمعیت کی طرف آئے' اور اُسے اسلامی مسائل سے روشناس کرائے۔۔۔

ایک اور اہم مسئلہ جو آیت کی روشنی میں معلوم کیا جا سکتا ہے' وہ یہ ہے کہ : اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلّم کا ایک خاص احترام اور اہمیت ہے' یہاں تک کہ اسلام' مسلمانوں پر لازمی قرار دیتا ہے کہ معارفِ اسلام کے لئے نکلیں[1]"

قمرِ بنی ہاشم' علمدارِ حسینی حضرت عباس کی صفتِ شجاعت و وفاداری سے تو ہر خاص و عام واقف ہے۔

لیکن شاید بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہو گی کہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام جس طرح شجاعت و جواں مردی میں اپنے باپ کے جانشین تھے اسی طرح علم اور فقہ کی دنیا میں بھی اُن کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

---

[1] : تفسیر نمونہ جلد ۸' صفحہ ۱۵۷-۱۵۸

چنانچہ ہمارے ایک ممتاز عالم دین، مرجع وقت، آیت اللہ مامقانی علیہ الرحمہ نے جو علم رجال کے لحاظ سے بہت بلند مرتبے پر فائز ہیں حضرت عباس علمدارؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

قَدْ كَانَ مِنْ فُقَهَاءِ أَوْلَادِ الْأَئِمَّةِ.

(حضرت عباسؑ ائمہ طاہرینؑ کی فقیہ اولاد میں سے تھے)۔

حوالے کیلئے دیکھئے:

تنقیح المقال باب العین صـ۱۲۸ طبع ایران

●

جناب کلیم الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

وہ جو ہاشمی ہاشم کے ہیں ان کی جلالت کیا کہئے
عالم و راسخ بھی تھا مگر وہ اپنی شجاعت دکھلا ہی گئے

جب ہو گئے ان کے ہاتھ قلم باقی ہے تقدیر اعلم
یعنی کہ ہے مجبور بھی وہ اور نذرِ قلم دکھلا ہی گئے

عُلمائے رجال کی شہادت

علمِ رجال: یعنی وہ علم جس میں راویوں کی تشخیص و تحقیق کی جاتی ہے کہ کون سا راوی صادق اللہجہ تھا، کون اس سے مختلف۔

کون سا راوی موثق ہے اور کون سا غیر موثق۔

کس راوی کا حافظہ قابلِ اعتماد ہے، اور کس راوی کا حافظہ ناقابلِ اعتماد۔

گویا یہ انسانوں کی پہچان پرکھ، اور بحث و تمحیص سے متعلق علم ہے۔

●

چونکہ کسی روایت کو قبول کرنے کے سلسلے میں یہ بنیادی بات ہے کہ اس کو بیان کرنے والا شخص سچا اور قابلِ اعتماد ہو، اس لئے علماء و محققین نے ہر دور میں اس فن میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔

برادرانِ اہلسنت کے یہاں:

"الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب"۔ اور "الاصابہ"۔ وغیرہ معروف کتابیں اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

ہمارے بلند مرتبہ علمائے کرام نے بھی اس موضوع پر بہت زیادہ محنت کی ہے، اور پوری چھان بین کر کے ان راویوں کے حالات قلمبند کئے ہیں، جنھوں نے حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی احادیث کو ہم تک پہونچانے کا فریضہ انجام دیا ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ حلیؒ — اور علامہ مامقانی کی تصنیفات سند کی حیثیت

رکھتی ہیں، اور عہدِ حاضر میں آقائے سید ابوالقاسم الخوئی علیہ الرحمہ کی مشہور و معروف تصنیف "معجم الرجال"

جس کی ۲۲ جلدیں آپ کی زندگی میں ہی چھپ کر منظرِ عام پر آ چکی تھیں جس میں آپ نے ہر دور کے راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی نہایت تحقیق اور شرح و بسط کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔

ان علمائے رجال نے بھی، قمرِ بنی ہاشم، علمدارِ حسینی حضرت عباسؑ کے حالاتِ زندگی تحریر کرتے ہوئے نہایت شاندار الفاظ میں انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

"تنقیح المقال" جو اس فن کی سب سے جامع اور سب سے زیادہ مستند کتاب قرار دی گئی ہے، اس کے مؤلف نے آپ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

كَانَ عَدْلًا، ثِقَةً، تَقِيًّا، نَقِيًّا...

(حضرت عباس علیہ السلام عادل، ثقہ، متقی، پرہیزگار، شریف طینت اور پاک سرشت شخصیت کے مالک تھے)

(ملاحظہ فرمائیے تنقیح المقال صفحہ ۱۲۸ مطبوعہ ایران)

خدا گواہ وہی کربلا کا ہے فاتح
کہ جس کے نام کا لہرا رہا ہے اب بھی علم

علم میں مشک سکینہؑ یہ اک علامت ہے
بچا کے ساتھ بھتیجی کی یاد ہے پیہم

آپ کی عبادت

اربابِ تاریخ و سیرت کا بیان ہے کہ:

قمرِ بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح انتہائی عبادت گذار اطاعتِ پروردگار میں منہمک رہنے والے تھے۔

کون نہیں جانتا کہ آپ کے پدرِ بزرگوار مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ عبادت کے انہماک و والہانہ پن میں اپنی نظیر آپ تھے، میدانِ کارزار میں اسلحہ کی شعلہ باری بھی اُن کو اپنے خالق سے راز و نیاز و مناجات سے کبھی باز نہ رکھ سکی اور حضرت کی پروردگار سے محو نیاز رہا کرتے تھے۔

ابو دردا کہتے ہیں کہ:

میں نے اندھیری رات میں امام علیہ السلام کی مناجات سنی، صبح تک آواز دھیمی ہو گئی، اس کے بعد پھر کوئی حس و حرکت محسوس نہیں ہوئی۔ میں سمجھا تھک کر سو گئے ہیں، نمازِ صبح کیلئے جگا دوں، قریب آیا تو دیکھا کہ گویا لکڑی کا ایک تختہ پڑا ہوا ہے ___ میں نے شانہ ہلایا، کوئی حرکت نہ پائی تو میں سمجھا کہ وفات ہو گئی۔

دوڑتا ہوا اُن کے گھر آیا کہ متعلقین کو اس سانحہ کی خبر کر دوں۔
اُن لوگوں کو جب اس کی اطلاع دی تو انہوں نے بتایا کہ:
"خوفِ خدا سے ان پر اسی طرح کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔
وہ لوگ آئے اور امامؑ کے چہرے پر پانی چھڑکا، آپ بیدار ہو گئے۔

میں رو رہا تھا، امام علیہ السلام نے (مجھے روتے ہوئے دیکھا تو) فرمایا:
"ابو درداء — تمہارا کیا حال ہوگا روزِ قیامت جب ... (بندوں کو) حساب کیلئے بلایا جائے گا"[1]۔

●

حضرت عباس علمدار بھی اپنے پدرِ بزرگوار کی طرح بہت زیادہ عبادت کرتے یہاں تک کہ کثرتِ سجود کی بنا پر پیشانی پر واضح نشان پڑ گیا تھا۔
چنانچہ اربابِ تاریخ کا بیان ہے کہ:
كَانَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَثَرُ السُّجُودِ لِكَثْرَةِ عِبَادَتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔
خداوندِ عالم کی بارگاہ میں کثرت سے عبادت کرنے کی وجہ سے آپ کی پیشانی اقدس پر سجدہ کا نشان ضوفشاں تھا[2]۔

●

اس روایت میں لفظ "اثر السجود" کیسی اہمیت رکھتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ قرآن مجید میں خالقِ دوجہاں نے حضرت رسولِ خدا کے سچے جانثاروں اور صاحبِ ایمان و تقویٰ عقیدت مندوں کی توصیف ان ہی الفاظ میں فرمائی ہے کہ:
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔
(ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے)
سورۂ مبارکۂ الفتح آیت ۲۹
جس کی تشریح کرتے ہوئے اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ:

---

[1] بحار الانوار ... کا امیر المومنین کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت۔
(کشکول ... سید ... علیہ السلام ... اور ... وغیرہ)

"سیما" اصل میں علامت و ہیئت کے معنی میں ہے چاہے یہ علامت چہرے میں ہو یا بدن کے کسی دوسری جگہ، اگرچہ روزمرہ کے استعمال میں چہرے کی ظاہری وضع کیلئے بولا جاتا ہے۔
دوسرے لفظوں میں (اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ)،
اُن کا قیافہ اچھی طرح سے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ خدا کے حق قانون اور عدالت کے سامنے ایک خضوع و خشوع والے انسان ہیں — نہ صرف اُن کے چہرے میں، بلکہ اُن کے سارے وجود اور زندگی میں یہ علامت منعکس ہوتی ہے۔
بعض مفسرین نے اگرچہ اس کی تفسیر پیشانی پر سجدہ کے ظاہری اثر یا سجدہ گاہ کی مٹی کے اثر سے کی ہے، لیکن ظاہراً آیت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے، جو ان مردانِ خدا کے چہرہ کی مکمل طور پر تصویر کشی کرتی ہے۔
بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت قیامت میں اُن کے سجدہ گاہ کی طرف اشارہ ہے (کہ اُن کی پیشانی روزِ قیامت) چودھویں کے چاند کی طرح چمکے گی۔
البتہ ممکن ہے کہ قیامت میں اُن کی پیشانی اسی (شان و شوکت) کی ہو، لیکن آیت دنیاوی زندگی میں اُن کی ظاہری وضع و کیفیت کی خبر دے رہی ہے۔
ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:
آپ نے اس جملہ کی تفسیر میں فرمایا:
هُوَ السَّهَرُ فِي الصَّلَاةِ۔ اس سے مراد رات کو نماز پڑھنے کیلئے بیدار رہنا ہے، جبکے آثار دن کے وقت انکے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں[3]

---

[3] علامہ ... "من لا یحضرہ الفقیہ" (شیخ صدوق علیہ الرحمہ) —
روضۃ الواعظین مطابق نقل تفسیر نور الثقلین جلد ۵ صفحہ ۷۸، بحار ... تفسیر نمونہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۳

اور تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ شبِ عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے باوفا ساتھیوں نے مکمل خضوع و خشوع کے ساتھ پوری رات جو عبادتِ الٰہی میں گزاری، اُس کے سلسلہ میں مہلت حاصل کرنے کا فریضہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام ہی نے انجام دیا تھا جیسا کہ ہم اس کے سلسلہ میں ایک مستقل باب قلمبند کریں گے۔

البتہ امام علیہ السلام کے فرمان: هُوَ الشَّغَفُ فِی الصَّلوٰۃِ (نماز کیلئے رات کو بیدار رہنے) — کے بارے میں ہم، اس جگہ قرآن مجید کی ایک اور آیت سے بھی استشہاد کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ارشادِ قدرت ہے:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۔

(وہ لوگ راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور سحر کے وقت طلبِ مغفرت کرتے تھے)

(سورہ الذاریات آیت ۱۰، ۱۹)

جس کے ذیل میں مفسرین نے لکھا ہے کہ:

... "وہ اپنی راتوں کا زیادہ حصہ خداوندِ عزوجل کی عبادت میں گزارتے تھے اور کم سوتے تھے۔"

یہ قول بہ لحاظ اہلسنت کے بزرگان میں سے (حسن بصری، احنف بن قیس اور ابنِ شہاب زہری کا قول) ہے اور بعد کے مفسرین و مترجمین نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور آیت کے الفاظ اور موقع محل کے لحاظ سے یہی تفسیر زیادہ مناسبت رکھتی نظر آتی ہے۔

ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ:

رات کا اچھا خاصہ حصہ عبادتِ الٰہی میں صرف کر دیتے تھے اور پھر بھی پچھلے پہروں اپنے رب کے حضور معافی مانگتے تھے کہ آپ کی بندگی کا جو حق ہم پر تھا اس کے ادا کرنے میں تقصیر ہوئی۔

"هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" کے الفاظ میں ایک اشارہ اس بات کی طرف بھی نکلتا ہے کہ

یہ روش اُن ہی خاصانِ خدا کو زیبا تھی، وہی اس شانِ عبودیت کے اہل تھے کہ اپنے رب کی بندگی میں جان بھی لڑائیں اور پھر اس پر پھولنے اور اپنی نیکی پر فخر کرنے کے بجائے گڑگڑا کر اپنی کوتاہیوں کی معافی بھی مانگیں۔[۲۵]

بالفاظِ دیگر:

آخرِ شب میں جب غافلوں کی آنکھیں نیند میں ہوتی ہیں اور ماحول ہر لحاظ سے پُرسکون ہوتا ہے، مادی زندگی کا شور و غل خاموش ہوتا ہے اور وہ عوامل جو انسان کی فکر کو اپنی طرف مشغول رکھتے ہیں، سب خاموش ہوں، یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں، اور اس کے حضور میں راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، اور خصوصیت کے ساتھ استغفار کرتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کا نظریہ ہے کہ:

"یہاں استغفار سے مراد وہی نمازِ شب مراد ہے، اس بنا پر کہ "نمازِ وتر" کا قنوت استغفار پر مشتمل ہے۔"

"اسحار" "سحر" (بروزن بشر) کی جمع ہے، اصل میں "پوشیدہ اور پنہاں" ہونے کے معنی میں ہے، اور چونکہ رات کی آخری گھڑیوں میں، ایک خاص قسم

۲۵۔ تفہیم القرآن جلد ۵۔ صفحہ ۱۳۹

کی پوشیدگی ہر چیز پر چھائی ہوئی ہوتی ہے لہٰذا اس کا نام "سحر" رکھا گیا ہے

لفظ "سحر" (بروزن شعر) بھی ایسی ہی چیز کو کہا جاتا ہے، جو حقائق کے چہرے کو ڈھانپ دے، یا جس کے اسرار دوسروں سے پوشیدہ ہیں۔

تفسیر در منثور (¹) ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ،

حضرت رسول خدا نے فرمایا،

اِنَّ آخِرَ اللَّیلِ فِی التَّھَجُّدِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَوَّلِہٖ۔ لِاَنَّ اللّٰہَ یَقُولُ:

وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔

(رات کا آخری حصہ، تہجد (نمازِ شب) کے لئے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اس کے اوّل سے کیونکہ خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ:

(پرہیزگار لوگ) سحر کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں)"ش

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

کَانُوا یَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰہَ فِی الْوِتْرِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً فِی السَّحَرِ۔

(بہشتی نیکوکار) سحر کے وقت، نماز وتر میں ستر مرتبہ خداوند عالم کی بارگاہ میں استغفار کرتے تھے) ش

ش ۔ تفسیر در منثور، جلد ۶، صفحہ ۱۱۱، سطر ۱۔ مجمع البیان، تفسیر نمونہ جلد ۲۲، صفحہ ۲۰۱۔

قوتِ ایمانی اور بصیرت

"قوتِ ایمانی" کے ساتھ "بصیرت" کی کیا اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ،

پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب خاص، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ کو حکم دیا کہ:

"آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں تبلیغِ دین اور دعوت الی اللہ کا جو فریضہ انجام دے رہا ہوں وہ اس بصیرت کے ساتھ ہے جو مجھے اور میرا اتباع کرنے والے دوسرے ایمانداروں کو حاصل ہے۔

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے،

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

(کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔

میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں بصیرت کے ساتھ،

میں بھی اور وہ بھی جو میرا پیروکار ہے۔

پاک اور بے نیاز ہے اللہ ۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)

(سورۂ یوسف آیت ۱۰۸)

"میں بھی اور میرا پیروکار بھی" کی تشریح کرتے ہوئے اربابِ تفسیر نے لکھا ہے کہ،

قَالَ يَعْنِي عَلِيّاً "أَوَّلُ مَنْ اِتَّبَعَهُ عَلَى اِيْمَانِهِ وَالتَّصْدِيْقِ لَهُ، وَبِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

(فرمایا کہ، اس سے مراد علی علیہ السلام ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضور کی پیروی کی، آپ پر ایمان لائے، ان کی تصدیق کی، اور جو کچھ انہوں نے خداوندِ عالم کی طرف سے پیش کیا اُسے (سب سے پہلے تسلیم کیا)

ملاحظہ فرمایئے: تفسیر البرہان جلد ۲ صفحہ ۳۰

مِمَّنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ قَطُّ وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُ بِظُلْمٍ۔

(جنہوں نے کبھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیا اور ان کے ایمان کے ساتھ کسی قسم کے ظلم کا کوئی شائبہ تھا)

(۸ : ۴۱ : ۸)

اور صاحب فصل الخطاب نے لکھا ہے کہ:

"جس طرح دوسرے مقامات پر جہاں من اتبعک (آپ کی پیروی کرنے والا) آیا ہے، اس کی تفسیر فردِ اکمل ہونے کے لحاظ سے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ ہوئی ہے، اسی طرح یہاں بھی رسولؐ کی زبانی جو ارشاد ہوا ہے:

ومن اتبعنی (اور جو میری پیروی کرنے والا ہے)

اس کے بھی معیاری مصداق جناب امیرؑ اور ان کے بعد اپنے اپنے دور کے تمام معصومین ہیں"[1]

●

قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی قوت، اور بصیرت کے بارے میں امام ششم حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

[1] تفسیر فصل الخطاب، جلد ۳ صفحہ ۲۶۳۔

كَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَافِذَ الْبَصِيْرَةِ، صُلْبَ الْاِيْمَانِ۔

(ہمارے چچا (حضرت) عباس بن علی علیہ السلام بہت گہری بصیرت اور مضبوط ایمان کے مالک تھے)[2]

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ کنتوری نے لکھا ہے کہ:

فَالْمُرَادُ بِنَافِذِ الْبَصِيْرَةِ اَنَّهُ كَانَ مُمَيِّزاً بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ مِنَ الْاُمُوْرِ الْاِعْتِقَادِيَّةِ۔

(حضرت عباس کے گہری بصیرت رکھنے والے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اعتقادی معاملات میں حق و باطل کے درمیان خط امتیاز قائم کرنے والے تھے)

امام علیہ السلام نے اسی کو لفظ "صلب الایمان" (مضبوط ایمان والے) سے یاد فرمایا ہے۔

وَهُوَ نَتِيْجَةُ كَوْنِهِ نَافِذَ الْبَصِيْرَةِ، فَاِنَّهُ مَنْ يُدِيْمُ النَّظَرَ فِي الْمَعَارِفِ الْاِلٰهِيَّةِ فَلَا مَحَالَةَ يَنْكَشِفُ عِنْدَهُ الْحَقَائِقُ الْاِيْمَانِيَّةُ

(درحقیقت گہری بصیرت کا نتیجہ ایمان کی پختگی ہے، کیونکہ جو شخص معارف الٰہیہ میں مسلسل غور و فکر کرتا رہا ہے، اس کے ایمانی حقائق لازمی طور پر منکشف ہوتے رہیں گے جو یقین قلب میں اضافہ کا باعث بنیں گے)

اس کے بعد علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ:

فَهِيَ مَبْنِيَّةٌ عَلَى كَوْنِ الْعَبَّاسِ فَائِزاً بِاَعْلٰى دَرَجَةِ الْمَعْرِفَةِ وَالْعَمَلِ۔

[2] عمدۃ الطالب ص ۳۲۳، مقاتل الطالبین وغیرہ۔

یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام معرفت اور عمل کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔[1]

بقول شاعر:

علیؑ کا لختِ جگر فاطمہؑ کی جان عباسؑ
وفا کا آئینہ ہمت کا ملک جہان عباسؑ
علم حسینؑ نے اور مشک دی سکینہؑ نے
فضیلتوں کے ہیں اک بحرِ بیکراں عباسؑ

[1] ماتتین فی مقتل الحسین ص ۴۳۳، ۲ و ۲

آپؑ کی شجاعت

شجاعت و جوانمردی انسانی زندگی کے نہایت اہم فضائل و محاسن میں سے ہے جسے قرآن مجید نے اس قدر اہمیت دی ہے کہ جب ایک قوم نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے قدرت کی طرف سے کسی حکمران کا تعین کرا دیجئے تو جس شخص کو پروردگارِ عالم نے اس عظیم منصب کے لئے منتخب کیا اس کا بنیادی وصف علم اور شجاعت کو قرار دیا۔

قرآن مجید کے سورہ مبارکہ البقرہ میں اس واقعہ کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا، قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ، قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ، وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

اور ان کے پیغمبر نے ان سے فرمایا کہ خداوندِ عالم نے طالوت کو تمہارا سلطان قرار دیا ہے۔

وہ لوگ کہنے لگے کہ ان کی ہم پر سلطنت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ہم ان سے زیادہ سلطنت کے حقدار ہیں، اور ان کے پاس تو مال کی کشادگی بھی نہیں ہے!

(پیغمبرؑ نے فرمایا) اس میں کوئی شک نہیں کہ خداوندِ عالم نے اُن کو منتخب کرلیا ہے اور انھیں علم اور شجاعت میں بہتری عطا کی ہے اور خدا جسے چاہے سلطنت عطا کرتا ہے، اور اللہ بہت گنجائش والا، باخبر ہے۔

(سورہ مبارکہ البقرہ آیت ۲۴۷)

اس آیت میں اگرچہ طالوت کی حکمرانی کا تذکرہ ہے، لیکن ضمنیات بھی واضح ہوتی ہے کہ خالقِ دوجہاں کے نزدیک اسلامی سلطنت کے فرماں روا کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں، اور لشکرِ اسلام کی قیادت کن ہاتھوں میں دی جاسکتی ہے۔

جب زمانہ کے نبیؑ نے اعلان کیا کہ طالوت کو حکمران بنایا جارہا ہے تو قوم نے اعتراض کیا کہ اُن کے پاس مالی اعتبار سے کشادگی نہیں ہے وہ کیسے حکمران بن سکتے ہیں۔

ارشادِ قدرت ہوا کہ وہ علم و جوانمردی کی طاقت سے مالامال ہیں۔

قوم کا رہبر اپنے علم و دانش سے معاشرے کیلئے راہِ سعادت کی نشاندہی کرتا ہے اور اُس کے لئے اصول بناتا ہے، اور اپنی طاقت کے ذریعہ اس کے اجراء کا اہتمام بھی کرتا ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ:

طالوت، ایک بلند قامت، تنومند اور خوبصورت انسان تھے، وہ مضبوط اور قوی اعصاب کے مالک تھے، روحانی طور پر بھی بہت زیرک اور صاحبِ تدبیر تھے۔

(تفسیر نمونہ جلد ۲، صفحہ ۱۲۳، ۱۲۶)

اب آیئے! تاریخ سے حضرت عباسؑ علمدار کی شجاعت کا حال سنتے ہیں۔

صاحب کبریتِ احمر نے لکھا ہے کہ:

جنگِ صفین کے دوران، ایک دن، ایک نوجوان حضرت علی علیہ السلام کے لشکر سے برآمد ہوا جس کی چال ڈھال سے ہمت اور شجاعت اس انداز سے نمایاں تھی کہ شامی مسلمانوں میں سے کسی میں اس نوجوان سے مقابلے کی ہمت نظر نہیں آرہی تھی۔

اُس جوان نے میدانِ جنگ میں قدم رکھنے کے بعد کئی بار مبارز طلبی کی، مگر کوئی اُس کے مقابلے پر نہ آیا تو امیرِ شام نے ابنِ اشعث کو بلایا، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ شخص تنہا دس ہزار سے مقابلے کی طاقت رکھتا ہے۔

امیرِ شام نے اس سے کہا، اس نوجوان کے مقابلے پر جانے کی کسی میں ہمت نظر نہیں آرہی ہے، اب تم ہی اس کے مقابلے پر جاؤ۔

ابنِ اشعث بولا ۔۔ اے امیر۔ تجھے معلوم ہے کہ میری شجاعت کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی ہے (میں بڑے بڑے سورماؤں سے مقابلہ کرتا ہوں) لیکن تم مجھے اس نوجوان کے مقابلے پر بھیج کر میری عزت خاک میں ملانا چاہتا ہے۔

امیرِ شام نے کہا:۔ دوسرا کوئی جاتا نہیں اور تم یہ عذر کر رہے ہو!۔ اب تم بتلاؤ اس نوجوان کے مقابلے پر کون جائے؟

ابنِ اشعث نے کہا، میرے سات بیٹے ہیں، میں اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو اس نوجوان کے مقابلے پر بھیجتا ہوں۔

اس کے بعد وہ اپنے خیمے میں آیا، اور اپنے چھوٹے بیٹے کو بلاکر اُس نوجوان کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں بھیجا

جب ابنِ اشعث کا بیٹا اُس نوجوان کے مقابلے پر آیا اور مبارز طلبی کی تو اُس نوجوان نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ، وہ اپنے انجام کو پہنچا۔

یہ دیکھ کر ابنِ اشعث نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھیجا، نوجوان نے اُس کا بھی خاتمہ کیا

اس کے بعد ابنِ اشعث کے بعد دیگرے اپنے بیٹوں کو بھیجتا رہا' اور وہ نوجوان' ایک ایک کا کام تمام کرتا رہا۔
یہ منظر دیکھ کر شامی افواج کے ہوش اڑ گئے' اور سب کے سب اپنے مقام پر لرز کر رہ گئے۔

(بقول شاعر)

چلائیں غیظ میں آ کر جو ذوالفقار کہیں
ہلا کے رکھ دیں زمیں اور آسماں عباسؑ

سب حیرت زدہ تھے کہ:
"یہ کون نوجوان ہے جو اس ہمت و استقامت کے ساتھ اپنی جگہ پر ڈٹا ہوا ہے' اور جو بھی اس کے مقابلے پر آتا ہے اسے واصلِ جہنم کر دیتا ہے۔
ابنِ اشعث نے جب اپنے بیٹوں کی پے در پے ہلاکت و بربادی دیکھی تو غیظ و غضب میں بھرا ہوا میدانِ جنگ میں آیا' اور نوجوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا:
"تم نے میرے بیٹوں کو پے در پے قتل کیا ہے' اب تمہاری باری ہے' میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔
یہ کہہ کر چنگھاڑتا اور دہاڑتا ہوا جوشِ انتقام سے اندھا ہو کر مقابلے پر آیا' اُس نوجوان کے ساتھ چند مرتبہ تلواروں کا ٹکراؤ ہوا۔
پھر اُس نوجوان نے اس کے سر پر تلوار کی ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ ابنِ اشعث دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔

(بقول شاعر)

عباسؑ کیوں نہ جوہرِ تیغِ حسنؑ دکھائیں
یہ لہو میں سے قوتِ یزداں کی دھنک ہے۔

دشمن کی پوری فوج میں رعب و ہیبت کا یہ عالم ہو گیا کہ ہر شخص حیرت و تعجب کی تصویر بنا ہوا نظر آ رہا تھا۔
جناب برق زیدی نے اس منظر کو' اپنے ایک شعر میں عقیدت کے سمندر میں ڈوب کر' نہایت خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے۔
کہتے ہیں:

جبریلؑ ہٹ کے اپنے پروں کو سمیٹ لو
عباسؑ کی لڑائی میں حیدرؑ کا رنگ ہے

●

ابنِ اشعث کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد حضرت عباسؑ علمدار' اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بیٹے کے سر سے "خود" اتارا' پیشانی کا بوسہ لیا۔ تو دیکھنے والوں کو پتہ چلا کہ:
یہ تو بارہ سال کے کمسن شہزادے' قمرِ بنی ہاشم حضرت عباسؑ ہیں۔

●

حضرت عباسؑ کی شجاعت کے لئے یہی کافی ہے کہ:
کربلا میں جب حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر آپ فرات کی طرف تشریف لے گئے ہیں' اس وقت تقریباً دس ہزار یزیدی فوجیں گھاٹ پر پہرہ دے رہی تھیں' لیکن جب آپ نے قدم بڑھایا' تو دشمن کی فوجیں اس طرح بھاگیں جیسے شیر کو دیکھ کر بھیڑ بکریاں بھاگنے لگتی ہیں۔

●

نہرِ فرات کی طرف آپ کی روانگی کو شاعر نے' اپنے انداز سے' رقم کرتے ہوئے

یوں لکھا ہے کہ:

عباس علی نہر کی جانب ہیں رجوع
اسے ارض و سما بہرِ دعا ایک خشوع
جبریل سے کہہ دو کہ جھکا لیں آنکھیں
سقائے حرم ہوتے ہیں شیعے طلوع

حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی شجاعت کی تاب نہ لا کر یزیدی فوجیں پسپا ہوئیں، اور آپ نے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔
مشکیزہ بھرا، چلّو میں پانی لے کر دشمن کی طرف اچھالا، اور خود پیاسے واپس آگئے۔

ماورائے فکرِ انساں ہے وفا عباسؑ کی
پا نہیں سکتے فرشتے بھی ہوا عباسؑ کی

پاک دامنی نے کیا تر دامنی سے احتراز
چومتی ہی رہ گئیں موجیں عبا عباسؑ کی

اسلامی جہاد میں آپؑ کی شان

* جہاد دینِ اسلام کا ایک عظیم رُکن ہے جس کے بارے میں مولائے کائنات امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَتَحَهُ اللهُ لِخَاصَّةِ أَوْلِيَائِهِ، وَهُوَ لِبَاسُ التَّقْوَى وَدِرْعُ اللهِ الْحَصِينَةُ، وَجُنَّتُهُ الْوَثِيقَةُ، فَمَنْ تَرَكَهُ رَغْبَةً عَنْهُ أَلْبَسَهُ اللهُ ثَوْبَ الذُّلِّ وَشَمِلَهُ الْبَلَاءُ..

(بیشک۔ جہاد جنّت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے
جسے خداوندِ عالم اپنے خاص دوستوں کے لئے کھولتا ہے۔
یہ پرہیزگاری کا لباس ہے۔
خداوندِ عالم کی محکم زِرہ ہے۔
اور اس کی قابلِ اعتماد سپر ہے۔
جو شخص اس سے پہلو بچاتے ہوئے اُسے ترک کرے گا، خداوندِ عالم اُسے ذلت و خواری کا لباس پہنائے گا، اور مصیبت و ابتلا کی ردا اُسے اوڑھا دے گا۔)

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۷)

خالقِ دو جہاں نے قرآنِ مجید میں واضح حکم دیا ہے کہ:
"خدا کی راہ میں پوری طرح جہاد کرو۔"
ارشادِ قدرت ہے:

(اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے جہاد کرنے کا)
(سورہ الحج آیت نمبر ۷۸)

جس کی تشریح کرتے ہوئے ارباب تفسیر نے لکھا ہے کہ،
"جہاد" میں جدوجہد اور مشقت کا ہونا تو لازمی امر ہے، اور یہ جو تعبیر خداوند عالم نے اختیار فرمائی ہے؛
(کہ خدا کی راہ میں جہاد کرو جو حق ہے جہاد کرنے کا)
اس کا مطلب یہ ہے کہ:
"جہاد میں تکالیف ہوں گی، انھیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا (بھی) حق جہاد ادا کرنا ہے۔
جہاد فی سبیل اللہ کی دو قسمیں ہیں:
دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنا۔ اور جہاد بالنفس۔
"شر اور فساد کے ساتھ جہاد کرنا۔" ان دونوں اقسام کو محیط ہے۔
اس طرح جہاد کا حکم درحقیقت خداوند عالم کی عظیم امانت کو اٹھانا، اور اس کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے۔[1]

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ:
"جہاد سے مراد محض قتال (جنگ) نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ جدوجہد، کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
جہاد اور مجاہدہ میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ:
مزاحمت کرنے والی کچھ قوتیں ہیں، جن کے مقابلے میں یہ جدوجہد مطلوب ہے

[1] ۔ فی ظلال القرآن تفسیر سورۃ الحج

اور اس کے ساتھ "فی اللہ" (راہ خدا میں) کی قید متعین کر دیتی ہے کہ:
مزاحمت کرنے والی طاقتیں وہ ہیں جو اللہ کی بندگی اور اس کی رضا جوئی اور اس کی راہ پر چلنے میں مانع ہیں۔
اور جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ ان کی مزاحمت کو شکست دے کر آدمی خود بھی اللہ کی ٹھیک ٹھیک بندگی کرے اور دنیا میں بھی اس کا کلمہ بلند اور کفر و الحاد کے کلمے پست کر دینے کے لئے، جان لڑا دے۔
اس مجاہدہ کا اولین ہدف آدمی کا اپنا "نفس امارۃ" ہے۔
اسی لئے ایک جنگ سے واپس آنے والے غازیوں سے نبی اکرم نے ارشاد فرمایا کہ:
قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ فَتَجَهَّزُوا لِلْجِهَادِ الْأَكْبَرِ[1]
(تم لوگ چھوٹے جہاد سے واپس آتے ہو بڑے جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ)
لوگوں نے دریافت کیا، وہ بڑا جہاد کیا ہے؟
فرمایا: مُجَاهَدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ (انسان کا اپنی خواہش نفس سے جنگ کرنا)
اس کے بعد جہاد کا وسیع تر میدان پوری دنیا ہے جس میں کام کرنے والی تمام بغاوت کیش، بغاوت آموز، اور بغاوت انگیز طاقتوں کے خلاف دل و دماغ اور جسم و مال کی ساری قوتوں کے ساتھ سعی و جہد کرنا، وہ حق جہاد ہے جس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

[1] : او کما قال۔ [2] ۔ تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴

تفسیر مجمع البیان میں علامہ طبرسی نے متعدد مفسرین کرام کی تحریروں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"حق جہاد سے مراد خلوص نیت اور اعمال کو صرف اور صرف "اللہ" کیلئے انجام دینا ہے۔"

... چونکہ اخلاص کی منزل جہاد بالنفس کے سلسلہ میں مشکل ترین مراحل میں سے ہے، لہٰذا اس کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔[1]

قمر بنی ہاشم حضرت عباس علمدار علیہ السلام "جہاد" کے ہر مفہوم کے اعتبار سے انتہائی بلند مرتبے پر فائز ہیں۔

اسی لئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أَشْهَدُ، وَأُشْهِدُ اللهَ أَنَّكَ مَضَيْتَ عَلَى مَا مَضَى بِهِ الْبَدْرِيُّونَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ الْمُنَاصِحُونَ لَهُ فِي جِهَادِ أَعْدَائِهِ الْمُبَالِغُونَ فِي نُصْرَةِ أَوْلِيَائِهِ الذَّابُّونَ عَنْ أَحِبَّائِهِ۔

(میں گواہی دیتا ہوں اور خداوند عالم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ: آپ اسی راہ پر گامزن تھے جس پر جنگ بدر میں حصہ لینے والے گامزن تھے۔ اور جس راہ پر) خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے چلے

وہ جو اللہ کے ساتھ اخلاص رکھ کر اس کے دشمنوں سے جہاد کرنے والے اس کے اولیاء کی مدد و نصرت میں آخری حد تک جانے والے

[1] تفسیر نمونہ جلد ۱۴ صفحہ ۲۱۱

اور اس کے چاہنے والوں (کی طرف) سے دفاع کرنے والے)

مزید ارشاد فرمایا:

۔ فَنِعْمَ الصَّابِرُ الْمُجَاهِدُ الْمُحَامِي النَّاصِرُ وَالْأَخُ الدَّافِعُ عَنْ أَخِيهِ الْمُجِيبُ إِلَى طَاعَةِ رَبِّهِ الرَّاغِبُ فِيمَا زَهِدَ فِيهِ غَيْرُهُ مِنَ الثَّوَابِ الْجَزِيلِ وَالثَّنَاءِ الْجَمِيلِ. وَأَلْحَقَكَ اللهُ بِدَرَجَةِ آبَائِكَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ

(کتنے عمدہ صبر و استقامت والے
جہاد کرنے والے۔
حمایت کرنے والے۔
نصرت کرنے والے۔ اور
اپنے بھائی کی طرف سے دفاع کرنے والے ہیں۔
اپنے پروردگار کی اطاعت کے لئے لبیک کہنے والے
جس سے دوسروں نے روگردانی کی اُس عظیم ثواب اور ثنائے جمیل کی طرف رغبت کرنے والے تھے۔
خداوند عالم نعمتوں والی بہشت میں آپ کو آپ کے اجداد کے درجات میں شامل کرے۔

جنگِ صفین میں آپؑ کی شرکت

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اعلانِ رسالت فرمایا تو عرب کے قبائل میں، جو خاندان آپؐ کی مخالفت میں سب سے پیش پیش تھا وہ خاندان بنی امیہ ہے جن کا سردار "ابوسفیان" پیغمبرِ اسلام کی جان کا سب سے بڑا دشمن بنا ہوا تھا۔
جب تک آنحضرتؐ مکۂ معظمہ میں رہے ان کو ہر طرح کی اذیتیں پہونچانے کی سازشیں کرتا رہا — اور جب آپؐ ہجرت فرما کر "مدینہ منورہ" تشریف لے گئے تو وہ آپؐ کے خلاف جنگ کے لئے اپنے لشکر لے کر مختلف محاذوں پر نبرد آزمائی کرتا رہا لیکن جب فتحِ مکہ کے بعد ظاہری طور سے کھُلم کھُلا کسی میدانِ جنگ میں اترنے کے قابل نہ رہا تو در پردہ سازشوں میں لگ گیا اور انتظار میں رہا کہ حضورِ اکرمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ دینی اقتدار دنیاوی سلطنت کے سانچے میں ڈھل جائے، اور لوگ حضورِ اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کے بجائے قیصر و کسریٰ کے شاہانہ انداز کو اختیار کرنے کی طرف راغب ہو جائیں۔

●

اور جب حضورِ اکرمؐ کی رحلت کے تقریباً ۱۲ برس بعد ابوسفیان ہی کے خاندان کے ایک بزرگ کو اسلامی حکومت کا سربراہ بنا دیا گیا، ادھر طرف بنی امیہ کے اوباش جوانوں کو معاشرے پر بالادستی نصیب ہو گئی، تو ابوسفیان نے اپنے لوگوں کے درمیان اس بات کا کھُلم کھُلا اعلان کیا کہ:
"خلافت کی گیند تمہارے قبضے میں آچکی ہے اس سے جس طرح چاہو کھیلو، جنت و جہنم کوئی چیز نہیں ہے۔" (معاذ اللہ)
جس کے بعد بنی امیہ نے اور کھُل کر کھیلنا شروع کر دیا، اور آمریت و بدی کا وہ طوفان اٹھا کہ الامان والحفیظ [1]

●

جب خلیفۂ ثالث کے بعد امتِ مسلمہ کے شدید اصرار پر امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے زمامِ اقتدار سنبھالی تو بنی امیہ کے ایوان لرز گئے، وہ لوگ جو دنیا پرستی اور عیش و عشرت کے خوگر ہو چکے تھے وہ یہ بات کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے عشرت کدوں میں سناٹا چھا جائے!
چنانچہ اندرونِ خانہ بدترین مجرمانہ سرگرمیوں کا آغاز ہوا، اور "داھیۃ العرب" جو گزشتہ ۲۰، ۲۲ برس سے شام کی دولت سمیٹ رہا تھا، علمِ بغاوت بلند کر کے حضرت امیر المومنین علیؑ کے مقابلے پر آگیا۔
اب صورتِ حال یہ تھی کہ ایک طرف جنابِ امیرؑ پیغمبرِ اکرمؐ کے جانشین کی حیثیت سے اور دوسری طرف امیرِ شام، ابوسفیان کے جانشین کی حیثیت سے میدانِ کارزار میں اترے۔
اسی جنگ کو "صفین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو عراق و شام کے درمیان "صفین" نامی جگہ پر فرات کے کنارے لڑی گئی جس میں شام کی طرف سے ایک لاکھ سے زیادہ کا لشکر آیا ہوا تھا جن میں اُن لوگوں کی اکثریت تھی جو طاغوت کی محبت اور دنیاوی مال و دولت کی لالچ میں ایسے اندھے ہو چکے تھے کہ اونٹ اور اونٹنی میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔

●

[1] ملاحظہ فرمایئے الامامۃ والسیاسۃ (ابنِ قتیبہ) اور تاریخ ابنِ اثیر وغیرہ۔

قمر بنی ہاشم، علمبردارِ حسینی حضرت عباس علیہ السلام جن کی ولادت باسعادت سنہ ۲۶ ہجری میں ہوئی اور جنگِ صفین سنہ ۳۷ ہجری میں لڑی گئی اسطرح اس موقع پر آپ کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔

اس کمسنی کے باوجود آپ نے جنگِ صفین میں شرکت کی اور بہت سے شامیوں کو واصلِ جہنم کر دیا۔

چنانچہ صاحبِ تحفۂ یوسفیہ رقمطراز ہیں کہ:

"جنگِ صفین میں جب امیر المومنینؑ نے حضرت امام حسینؑ کو جنگ پر جانے کی اجازت دی، اور حضرت عباسؑ نامدار نے دیکھا کہ میرا آقا میدان میں جا رہا ہے تو دل بے چین ہوگیا، اگرچہ اس وقت آپ بہت کمسن تھے لیکن دلیرانہ حیثیت سے نصرتِ امام کیلئے آگے بڑھے۔

اصحابِ امیر المومنینؑ کا بیان ہے کہ:

ناگاہ ایک برق سامنے سے چمک گئی یعنی ایک سوار اسطرح ایک سمت سے نکلا کہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کون ہے اور دیکھا کہ دریائے غضب جوش کر رہا ہے، نیزہ اس سوار کے ہاتھ میں تھا اس نے کمالِ غیظ و غضب سے نیزہ کو حرکت دی اور اشقیا کے لشکر کے بعض نوجوانوں کو نیزے کی انی پر اٹھا کر پھینک دیا۔

پھر ایک کے بعد دوسرے ناری کو واصلِ جہنم کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں تو سے دشمنوں کو واصلِ جہنم کر دیا۔

ان شیرانہ حملوں کی وجہ سے لشکر میں غل پڑ گیا کہ:

"یہ دلیر کون ہے؟

لوگوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ شیر بیشۂ شجاعت، فرزند حیدر صفدر، قمر بنی ہاشم حضرت عباسؑ ہیں

حوالہ ملاحظہ فرمائیے: تحفۂ یوسفیہ، قمر بنی ہاشم ص ۱۰۱۔ مطبوعہ: نجف اشرف۔

صاحبِ فضائل الشہداء لکھتے ہیں کہ:

جنگِ صفین میں حضرت عباسؑ نبرد آزما تھے تو آپ پر پیاس کا غلبہ ہوا، اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا:

"بابا۔ پیاس ہلاک کئے دیتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے آبِ سرد کا ایک جام اپنے نورِ نظر کو دیا۔

حضرت عباسؑ نے پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ جب آپ پانی پی چکے تو دیکھا کہ حضرت علیؑ کے گریہ گلوگیر ہوگیا۔

دست بستہ عرض کی۔ بابا، آپکے رونے کا کیا سبب ہوا؟

فرمایا۔ بیٹا تمہاری اس پیاس کے غلبہ نے ایک اور موقع کی پیاس کا منظر نگاہوں کے سامنے کر دیا جس میں دریا کی روانی کے باوجود تمہارے لبوں تک ایک قطرہ پانی بھی نہ پہونچ سکے گا۔

حضرت عباس نے عرض کی:۔ بابا وہ کون سا زمانہ ہوگا۔؟

امام نے فرمایا۔ بیٹا۔ یہ واقعہ سنہ ۶۱ ہجری میں پیش آئے گا۔

پوچھا:۔ کیا اس وقت آپ موجود نہ ہوں گے؟

فرمایا:۔ بیٹا۔ میں موجود نہ ہوں گا۔

پوچھا۔ میرے بھائی حسنؑ و حسینؑ تو موجود ہوں گے؟

فرمایا، حسنؑ تو نہ ہوں گے، مگر حسینؑ موجود ہوں گے اور وہ بھی تمہارے ساتھ پیاسے ہوں گے۔

پوچھا:۔ بابا۔ ہماری کون سی خطا ہوگی کہ ہم پر پانی بند کیا جائے گا، اور فرات کی موجوں کی روانی کے باوجود ہم پیاسے رہیں گے؟

فرمایا۔ تمہاری کوئی خطا نہ ہوگی صرف حسینؑ کی رفاقت میں تم پیاسے رہو گے،

پوچھا:- کیا فرزندِ رسولؐ حسینؑ پر پانی بند کیا جائے گا۔؟
فرمایا:- بیٹا — وہ اِسی گروہ کے لوگ ہونگے جو آج تمہارے سامنے ہیں، تم لوگوں پر یہ پانی بھی بند کریں گے، اور حسینؑ کے تمام ساتھی یہاں تک کہ تمام اقربا، اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی شہید کر دیئے جائیں گے

حضرت عباسؑ نے پوچھا: "بابا! اس وقت ہمارا فریضہ کیا ہوگا۔؟
امامؑ نے فرمایا:- بیٹا — اُس وقت فرزندِ رسولؐ پر اپنی جان فدا کر دینا۔

(حوالہ کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
فضائل الشہداء باب ۲، فصل ۲، صفحہ ۳۱)

برصغیر کے مشہور معروف شاعر جناب سالک لکھنوی نے اسی جنگ کے حوالے سے لکھا ہے؎

صفین پہلی منزلِ سیرِ کربلا تھی
سقّا بنا کر تشنۂ لب زندگی میں

امام حسنِ مجتبیٰؑ کے ساتھ

سنہ ۴۰ ہجری میں مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی، جس کے بعد دنیائے اسلام کے وہ صاحبانِ عقیدت جنھوں نے جنابِ امیرؑ کی بیعت کی تھی، انہوں نے سوار جوانانِ جنّت حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی بیعت کی۔
مورخین نے ان بیعت کرنے والوں کی تعداد، چالیس ہزار لکھی ہے۔
یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ جب تک جان میں جان ہے آپ کا ساتھ دیں گے، اور آپؑ کے دشمن سے نبرد آزما رہیں گے۔

مگر یہ وہ زمانہ تھا جب امیرِ شام نے خزانے کا منہ کھول رکھا تھا، اور بڑے بڑے لوگوں کو اپنی دولت کے ذریعہ خرید رہا تھا۔
چنانچہ بہت سے ایسے لوگ جو ایمان کے لحاظ سے کمزور اور پیسے کی طاقت سے مغلوب ہو جانے والے تھے اُن پر اس نے داد و دہش کی بارش کر دی۔
دوسری طرف ایک اور سازشی چال یہ چلی کہ امام حسن علیہ السلام کے لشکر میں پھوٹ ڈالنے کیلئے متعدد سردارانِ لشکر کے بارے میں یہ افواہ پھیلا دی کہ وہ شام کی حکومت سے مل گئے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ امام علیہ السلام کے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی، ہر طرف تشدد افتراق کی کیفیت نظر آنے لگی جس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے نانا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلح حدیبیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت سے دستبرداری اختیار کر لی۔

حضرت کلیم الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

وہ حسنؑ جس کی رگوں میں بشیر پاک کا لہو
وہ حسن جس کے جگر میں عزم شبیر کردگار
وہ حسنؑ جو سجدۂ احمدؐ میں سجدوں کا فروغ
وہ حسنؑ جو منبر احمدؐ پہ منبر کا وقار
صلح اس کی کیوں نہ ہو تمہید جنگ کربلا
کر گیا اس کا قلم، ہم راز راہ ذوالفقار

حکومت سے دستبردار ہونے کے بعد امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے مدائن اور موصل میں کچھ عرصہ گذارا۔ اور اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔
اس تمام عرصہ میں حضرت عباس علمدار اپنے برادر بزرگ امام وقت حجت خدا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے۔
جیسا کہ ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ:
"(حضرت امام حسنؑ) با عباس برادر باجان خویش و جمع شیعیان، بموصل تشریف برد۔"
(آپ اپنے بھائی عباسؑ اور کچھ شیعوں کو لے کر موصل تشریف لے گئے) [1]

---

[1] بحوالہ:۔ ذکر العباس۔ صفحہ ۲۰

موصل اور مدائن سے سفر کے بعد حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور وہیں مستقل قیام رہا یہاں تک کہ امیر شام کے بھیجے ہوئے زہر کے ذریعہ ۲۸ صفر ۵۰ ہجری کو آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
تاریخ الخلفاء جلد ۱، مروج الذہب ۲، صفحہ ۴۳
بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۶، تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۳۰۶
روضۃ الصفا جلد ۳، حبیب السیر جلد ۱ صفحہ ۵۱ وغیرہ

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت پر پورے مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا، کوئی ایسا گھر نہ تھا جس کے گھر میں ماتم برپا نہ ہو۔
حضرت عباس علمدار کے بارے میں اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ:
"او یک سال در رنج، رنگ از روئے عباس پریدہ"
(شدت غم کی وجہ سے حضرت عباسؑ کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور آپ ایک سال تک گریہ فرما رہے تھے)

(طوفان بکاء، مطبوعہ ایران ۱۳۳۳ھ)

قافلۂ حسینی کی مدینے سے روانگی

سنہ ۶۰ ہجری۔ رجب کا مہینہ تھا جب امیر شام دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کا نالائق فاجر بیٹا "یزید" تخت حکومت پر مسلط ہو گیا۔ اور اس نے حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ:
"نواسۂ رسول حسین بن علی سے بیعت لو۔ اگر انکار کریں تو ان کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دو۔"
چنانچہ مشہور مورخ علی بن عیسیٰ بن ابی الفتح اربلی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:
بن معاویۃ لما استقلّ ولدہ یزید ثم ملک، کتب یزید کتاباً الی ولید بن عتبۃ بن ابی سفیان، وھو امیر المدینۃ یامرہ فیہ علی اخذ البیعۃ من الحسین۔
جب امیر شام اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے کے بعد دنیا سے رخصت ہو گیا تو یزید نے (اپنے چچازاد بھائی) ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو، جو ان دنوں مدینہ کا گورنر تھا خط لکھا جس میں اس کو تاکید کی کہ فرزند رسول الثقلین، حضرت امام حسین سے بیعت لے۔[1]

●

اور عالم اسلام کے مشہور مورخ ابن واضح یعقوبی نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ: یزید نے مطالبۂ بیعت کے لئے جو خط مدینہ کے گورنر کے نام لکھا، اس میں انکار بیعت کی صورت میں آپ کا سر قلم کرنے کا مطالبہ تھا۔

[1] ملاحظہ کریں: کشف الغمہ، علی بن عیسیٰ اربلی۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:
کتب الی الولید بن عتبۃ بن ابی سفیان، وھو والی المدینۃ اذا اتاک کتابی ھذا فاحضر الحسین بن علی و عبداللہ ابن الزبیر فخذھما بالبیعۃ، فان امتنعا فاضرب اعناقھما، وابعث الیّ برؤوسھما، وخذ الناس بالبیعۃ، فمن امتنع فانفذ فیہ الحکم وفی الحسین بن علی۔
یزید نے تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مدینہ کا گورنر تھا خط لکھا اور اسے حکم دیا کہ:
"جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہونچے تو نواسۂ رسول حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو اپنے پاس بلاؤ۔ اور ان سے میری بیعت لو۔
اگر وہ انکار کریں تو انھیں قتل کر کے ان کے سر میرے پاس بھیج دو اور لوگوں سے بھی بیعت لو پھر جو شخص انکار کرے اس کے بارے میں میرا حکم نافذ کر دو (اس کا فیصلہ کر دو)
اور حسین بن علی کے بارے میں میرا فیصلہ نافذ کر دو۔"[1]

●

مدینے کے گورنر نے اس حکم کی تعمیل میں امام عالی مقام سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ امام نے انکار کیا۔ جس کے بعد مصائب و آلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔

۲۸ رجب ۶۰ ہجری کو حضرت امام حسین نے مدینہ منورہ سے رخت سفر باندھا۔ نانا کے مزار اور ماں کی قبر پر آخری سلام کرنے کے بعد روانگی کے لئے آمادہ

[1] تاریخ یعقوبی۔

ہوئے۔

عبداللہ بن سنان کوفی کی روایت ہے کہ،

"میں اسی دن وارد مدینہ ہوا، جس دن جانِ مدینہ (نواسۂ رسولؐ) مدینہ چھوڑ رہے تھے۔

میں نے اہلِ مدینہ کے چہروں پر عجب یاس و حسرت کے آثار دیکھے، اور گھبرا کر ان لوگوں سے پوچھا:

"بھائیو۔ کیا آج کوئی تازہ مصیبت آگئی ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ: "آج جانِ مدینہ وطن سے رخصت ہو رہا ہے۔ محمدؐ کا نواسہ، علیؑ کا نورِ نظر، فاطمہؑ کا لختِ جگر مدینہ چھوڑ رہا ہے۔ حالاتِ زمانہ حسینؑ کو ان کے نانا کے وطن میں رہنے نہیں دیتے اور مجبوراً نبیؐ کے نواسے کو وطن چھوڑنا پڑ رہا ہے"

عبداللہ بن سنان کہتا ہے کہ:

"مجھے اس منظر کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا، جب وارثِ رسولؐ اپنے وطنِ عزیز کو، اور اہلِ مدینہ آنسوؤں کی چھاؤں میں اپنے حسینؑ کو رخصت کر رہے ہوں۔

یہ سوچ کر میں محلہ بنی ہاشم میں آیا اور ادھر کھڑے ہو کر سواری کا منظر دیکھ رہا۔

سیدانیاں بیت الشرف سے برآمد ہوتی رہیں اور ایک ایک کر کے ناقوں پر سوار ہوتی رہیں۔

ایک جوان، ہمہ تن اہتمامِ سفر میں مصروف اور ہر آن انتظامات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

میں نے کسی سے پوچھا۔

"یہ جوان کون ہے جو اس قدر مصروف اور منہمک ہے؟

لوگوں نے کہا یہ علیؑ کے فرزند عباسؑ علمدار ہیں — جنہوں نے اپنی

پوری زندگی حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں گزاری ہے، اور اپنے آپ کو مولاؑ کا غلام ہی سمجھتے رہے ہیں۔

قافلہ روانہ ہوا۔

پیچھے پیچھے سیدانیوں کے ناقے، آگے آگے ہاتھ میں پرچمِ اسلام لئے ہوئے حضرت حمزہ و جعفر کے وارث، علیؑ کے شیر عباسِ علمدار علیہ السلام۔"

●

اس پورے قافلے میں حضرت عباس علیہ السلام کی انفرادیت اس بات کی دلیل ہے کہ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب نے اپنے اس فرزند کو، جس قربانی کیلئے مہیا کیا تھا، اس کی راہ میں یہ فرزند کس قدر مستعد ہے، اور قربان گاہ کی طرف جانے کا مکمل انتظام اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔

●

کعبۂ عشقِ ولایت ہیں علیؑ
کربلائے عاشقاں عباسؑ ہیں
دل کی دھڑکن حبِ حیدرؑ کی نماز
کعبۂ دل کی اذاں عباسؑ ہیں

سرزمین کربلا پر ورود

مشہور قول کے مطابق، سرکارِ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہلِ خاندان اور انصار و اعوان کے ساتھ ۲ محرم ۶۱ھ ہجری کو کربلا کی سرزمین پر پہنچے۔

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی نے لکھا ہے:

فَإِنَّهُ لَمْ يَزَلْ سَائِرًا هُوَ وَمَنْ مَعَهُ حَتّٰى أَتٰى بَلْدَةً، وَفِيْهَا قَوْمٌ كَثِيْرٌ

فَسَأَلَهُمْ عَنْ اِسْمِ هٰذِهِ الْبَلَدِ۔

فَقَالُوْا لَهُ: "شَطُّ الْفُرَاتِ"

فَقَالَ: هَلْ لَهَا اِسْمٌ غَيْرُ هٰذَا۔

فَقَالُوْا لَهُ: حَسْبُنَا يَا ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا تَسْأَلْ۔

فَقَالَ: سَأَلْتُكُمْ بِاللّٰهِ وَبِحَقِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلَّا مَا أَخْبَرْتُمُوْنِيْ عَنْ

اِسْمِهَا الثَّانِيْ!

فَقَالُوْا: اِسْمُهَا كَرْبَلَاءُ۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ بَكٰى وَقَالَ: هِيَ وَاللّٰهِ أَرْضُ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ۔

ثُمَّ قَالَ: يَا قَوْمِ نَاوِلُوْنِيْ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ هٰذِهِ الْأَرْضِ فَنَاوَلُوْهُ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ هٰذِهِ الْأَرْضِ۔ فَشَمَّهُ ثُمَّ اسْتَخْرَجَ قَبْضَةً مِنْ جَيْبِهِ وَقَالَ: هٰذِهِ الطِّيْنَةُ جَاءَ بِهَا جِبْرَئِيْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِجَدِّيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَ لَهُ:

هٰذِهِ مَوْضِعُ تُرْبَةِ الْحُسَيْنِ۔

ثُمَّ ضَمَّهَا إِلٰى يَدِهِ وَقَالَ: هُمَا وَاحِدَةٌ۔ ثُمَّ قَالَ: يَا قَوْمِ انْزِلُوْا وَلَا تَبْرَحُوْا فَهٰهُنَا وَاللّٰهِ مُنَاخُ رِكَابِنَا وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ يُسْفَكُ دِمَاؤُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ تُسْبٰى حَرِيْمُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ تُقْتَلُ رِجَالُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ يُذْبَحُ أَطْفَالُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ تُزَارُ قُبُوْرُنَا۔

... ثُمَّ نَزَلَ وَنَزَلَتْ أَصْحَابُهُ جَمِيْعًا۔

(حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلسل محوِ سفر تھے یہاں تک کہ ایک جگہ آئی جہاں بہت سے لوگ تھے۔

آپ نے اُن لوگوں سے اس جگہ کا نام پوچھا۔

اُن لوگوں نے کہا: اسے "شط الفرات" کہتے ہیں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "کیا اس کے علاوہ بھی اس جگہ کا کوئی نام ہے؟

اُن لوگوں نے کہا۔ "آپ سفر جاری رکھیں۔۔۔ یہ سوال مت کریں۔

آپ نے فرمایا کہ: میں تم لوگوں کو خدا اور اپنے نانا رسولِ خدا کا واسطہ دیکر سوال کر رہا ہوں کہ یہ بتلاؤ اس سرزمین کا دوسرا نام کیا ہے)؟

اُن لوگوں نے کہا: "اس کا نام کربلا (بھی) ہے۔

یہ سن کر آپ نے گریہ کیا۔ اور فرمایا: خدا کی قسم یہ کرب اور بلا کی سرزمین ہے۔

پھر فرمایا: اے لوگو۔۔۔ ذرا زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دو۔

لوگوں نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دی تو آپ نے اُسے سونگھا، پھر اپنے پاس سے ایک مٹی نکالی اور فرمایا:

"یہ وہ مٹی ہے جو جبرئیل امین خداوندِ عالم کی طرف سے میرے جد رسولِ خدا کی خدمت میں لائے تھے، اور اُن کو بتایا تھا کہ یہ اس جگہ کی ہے جہاں حسینؑ کی تربت رہے گی۔

سرزمینِ کربلا پر ورود

مشہور قول کے مطابق، سرکارِ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اہلِ خاندان اور انصار و اعوان کے ساتھ ۲ر محرم سنہ ۶۱ ہجری کو کربلا کی سرزمین پر پہنچے۔

علامہ ابو اسحاق اسفرائنی نے لکھا ہے:

فَإِنَّهُ لَمْ يَزَلْ سَائِراً هُوَ وَمَنْ مَعَهُ حَتَّى أَتَى بَلْدَةً، وَفِيهَا قَوْمٌ كَثِيرٌ فَسَأَلَهُمْ عَنْ اِسْمِ تِلْكَ الْبَلْدَةِ۔

فَقَالُوا لَهُ: "شَطُّ الْفُرَاتِ"

فَقَالَ: هَلْ لَهَا اِسْمٌ غَيْرُ هٰذَا۔

فَقَالُوا لَهُ: يَا ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ لَا تَسْأَلْ۔

فَقَالَ: سَأَلْتُكُمْ بِاللّٰهِ وَبِحَقِّ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَّا مَا أَخْبَرْتُمُونِي عَنْ اِسْمِهَا الثَّانِي!

فَقَالُوا: إِنَّ اِسْمَهَا كَرْبَلَاءُ۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ بَكَى وَقَالَ: هِيَ وَاللّٰهِ أَرْضُ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ۔

ثُمَّ قَالَ: يَا قَوْمِ نَاوِلُونِي قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ هٰذِهِ الْأَرْضِ فَنَاوَلُوهُ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ هٰذِهِ الْأَرْضِ۔ فَشَمَّهَا ثُمَّ اسْتَخْرَجَ قَبْضَةً مِنْ جَيْبِهِ، وَقَالَ: هٰذِهِ الطِّينَةُ جَاءَ بِهَا جَبْرَئِيلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِجَدِّي رَسُولِ اللّٰهِ وَقَالَ لَهُ:

هٰذِهِ مَوْضِعُ تُرْبَةِ الْحُسَيْنِ۔

ثُمَّ رَمَاهَا مِنْ يَدِهِ وَقَالَ: هُمَا أَرْضٌ وَاحِدَةٌ" ثُمَّ قَالَ: يَا قَوْمِ اِنْزِلُوا وَلَا تَبْرَحُوا فَهٰهُنَا وَاللّٰهِ مُنَاخُ رِكَابِنَا وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ يُسْفَكُ دِمَاؤُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ تُسْبَى حَرِيمُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ تُقْتَلُ رِجَالُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ يُذْبَحُ أَطْفَالُنَا، وَهٰهُنَا وَاللّٰهِ تُزَارُ قُبُورُنَا۔

... ثُمَّ نَزَلَ وَنَزَلَتْ أَصْحَابُهُ جَمِيعاً۔

(حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلسل محوِ سفر تھے یہاں تک کہ ایک جگہ آئی جہاں بہت سے لوگ تھے۔

آپ نے اُن لوگوں سے اس جگہ کا نام پوچھا۔

اُن لوگوں نے کہا: اسے "شط الفرات" کہتے ہیں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: "کیا اس کے علاوہ بھی اس جگہ کا کوئی نام ہے؟

اُن لوگوں نے کہا۔ "آپ سفر جاری رکھیں۔۔ یہ سوال مت کریں۔

آپ نے فرمایا کہ: میں تم لوگوں کو خدا اور اپنے نانا رسول خدا کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ یہ بتاؤ اس سرزمین کا دوسرا نام کیا ہے)؟

اُن لوگوں نے کہا:۔۔ اس کا نام "کربلا" بھی ہے۔

یہ سن کر آپ نے گریہ کیا۔ اور فرمایا: خدا کی قسم یہ کرب اور بلا کی سرزمین ہے۔

پھر فرمایا: اے لوگو۔۔ ذرا زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دو۔

لوگوں نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دی تو آپ نے اُسے سونگھا، پھر اپنے پاس سے ایک مٹی نکالی اور فرمایا:

"یہ وہ مٹی ہے جو جبرئیل امین خداوند عالم کی طرف سے میرے جد رسولِ خدا کی خدمت میں لائے تھے، اور اُن کو بتایا تھا کہ یہ اس جگہ کی ہے جہاں حسینؑ کی تربت رہے گی۔

پھر فرمایا کہ: ان دونوں میں ایک ہی جیسی خوشبو ہے۔
اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے فرمایا:۔ یہیں اتر جاؤ کہ آگے نہ بڑھو۔ خدا کی قسم یہیں ہماری سواری اترے گی۔ اسی جگہ ہمارا خون بہے گا... اسی جگہ ہمارے اہلِ حرم قیدی بنائے جائیں گے۔ اسی جگہ ہمارے مرد شہید ہوں گے... ہمارے بچے ذبح کیے جائیں گے.... اور ہماری قبریں (بنیں گی)
پھر آپ اور آپ کے تمام ساتھی سواریوں سے اتر گئے۔[1]

بقول شاعر:

چلتے چلتے رک گیا گھوڑا تو حضرت نے کہا
کیا زمین کربلا ہے تیری پہچانی ہوئی

قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار علیہ السلام اور امام عالی مقام کے جاں باز دوسرے سواریوں سے اُترنے کے بعد اپنے خیمے فرات کے کنارے نصب کیے۔
مگر دو دن بعد جب عمر سعد کا لشکر آیا تو اس نے امام عالی مقام اور ان کے اہلِ بیت اور انصار و اعوان کو پانی سے محروم کرنے کے لئے اُن کے خیمے فرات سے ہٹوا دیئے۔
جس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ:
وَحَالَ بَيْنَ الْفُرَاتِ وَبَيْنَ الْحُسَيْنِ وَمَنْ مَعَهُ
(وہ حضرت امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں اور نہرِ فرات کے درمیان حائل ہو گیا)
(ملاحظہ فرمائیے - نور العین، صفحہ ۳۶)

---

[1] ملاحظہ فرمائیے - قمقام زخار [illegible] ... صفحہ [illegible]
مطبوعہ مصر [illegible] ...

عالمِ اسلام کے مشہور مورخ احمد بن ابی یعقوب (المعروف ابن واضح یعقوبی) نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:
وَكَانَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي اثْنَيْنِ وَسِتِّيْنَ ـــ
أَوِ اثْنَيْنِ وَسَبْعِيْنَ ـــ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَعُمَرُ بْنُ سَعْدٍ فِي أَرْبَعَةِ آلَافٍ فَمَنَعُوْهُ الْمَاءَ
وَحَالُوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْفُرَاتِ
حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اُس وقت، ان کے اہلبیتؑ و اصحاب میں ۶۲ - یا ۷۲ اشخاص تھے، جبکہ عمر سعد چار ہزار کا لشکر لے کر پہنچا تھا) اُن لوگوں نے امام علیہ السلام پر پانی بند کر دیا۔ آپ کے اور فرات کے درمیان حائل ہو گئے[1]

●

ارباب تاریخ کا بیان ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے خیموں کو فرات کے کنارے سے ہٹایا گیا تو قمرِ بنی ہاشم حضرت

---

[1] ملاحظہ فرمائیے: تاریخ الیعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۳۰۔
نوٹ:۔ مندرجہ بالا عبارت میں جو فقرہ ہے کہ:
"اس وقت ان کے اہلبیتؑ و اصحاب میں ۶۲ یا ۷۲ اشخاص تھے"
یا تو اس بنا پر کہ مورخ کو اس وقت امام علیہ السلام کے ساتھیوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں تھی یا اس بنا پر کہ یہ جناب حبیب ابن مظاہرؑ اور ان کے ساتھیوں کی آمد سے قبل کی بات ہو۔
اس کے ساتھ اگر یہ بات بھی ملحوظ رکھی جائے کہ:
حرؑ اور اس کے ساتھی تو صبح عاشور لشکرِ امامؑ میں شامل ہوئے تھے۔ اس لئے ممکن ہے کہ نو محرم کو امام علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد [illegible] رہی ہو۔

عباس علمدار علیہ السلام کو جلال آگیا اور آپ نے دشمنوں کو جواب دینا چاہا مگر
مگر امام مظلوم نے اپنے جانباز اور جاں نثار بھائی کو صبر کی تلقین فرمائی اور حضرت
عباس خاموش ہو گئے۔

بقول شاعر

اُسے دکھ کس طرح جانیں ماتے آقا
کہ جس کے دوش پر ہو لال امام پہ پرچم
سنبھالا گیسوئے احمد کو اس بشان سے
کہ زلف مذہب اسلام پیچ ہو پرچم

نویں محرم سنہ ۶۱ ہجری تاریخ اسلام کی وہ المناک تاریخ جب نواسۂ رسولؐ، فاطمہ کے لعل، سردار جوانان جنان، سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے باوفا ساتھیوں کا ان کے درندہ صفت دشمنوں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا۔
اس دن کو "تاسوعا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
محدث شہیر حضرت شیخ عباس قمی رقمطراز ہیں کہ:

از حضرت صادق علیہ السلام روایت است کہ فرمود:
"تاسوعا روزی بود کہ جناب امام حسین علیہ السلام و اصحابش را در کربلا محاصرہ کردند و سپاہ شام بر قتال آنحضرت اجتماع کردند و ابن مرجانہ و عمر سعد خوشحال شدند بسبب کثرت سپاہ و بسیاری لشکر کہ برای ایشان جمع شدہ بود و جناب امام حسین علیہ السلام و اصحابش را ضعیف شمردند و یقین کردند کہ یاوری برای آنحضرت نخواہد آمد و اہل عراق او را مدد نخواہند نمود پس فرمود۔
"بپدرم فدای آن ضعیف غریب"
تاسوعا (نویں محرم) وہ دن ہے جب حضرت حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کا، کربلا کی سرزمین پر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا گیا، شام کی فوجیں امام عالی مقام کے قتل پر اکٹھا ہو گئیں، ابن مرجانہ اور

عمر سعد سپاہیوں کی کثرت اور اُس بڑے لشکر کی وجہ سے جو اس کی مدد کے لئے جمع کیا گیا تھا، بہت خوش تھے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے حامیوں کی مختصر تعداد کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے)۔۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ اب امام حسینؑ کی مدد کیلئے کوئی آنے والا نہیں ہے اور عراق کے لوگ آپ کی مدد نہیں کریں گے
یہ فقرے فرمانے کے بعد امام جعفر صادقؑ نے فرمایا،
"میرے ماں باپ قربان (امام مظلوم) بیکس و غریب پر"[1]

●

برصغیر کے ممتاز عالم دین، جناب فخر المتقین نے اُس دن کے بارے میں لکھا ہے کہ:
۹ محرم ہی کا یہ واقعہ ہے کہ:
سہ پہر کے وقت، عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا کہ امام حسینؑ پر حملہ کر دیا جائے۔
امام علیہ السلام اس وقت خیمہ کے باہر بیٹھے تھے کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی۔
جناب زینبؑ نے لشکر مخالف کی آواز سنی، تو امام علیہ السلام کے قریب آ کر کہا۔ "بھیا فوج نزدیک آگئی ہے۔
امامؑ بیدار ہوئے اور آواز دی:
"میرے لشکر کے سردار، خاندان بنی ہاشم کے چاند، میرے قوت بازو اور میرے بھائی عباس کہاں ہیں۔؟
جناب عباس "لبیک یا مولای، لبیک یا سیدی (آقا۔ میں حاضر ہوں میرے سید و سردار میں حاضر ہوں) کہتے آگئے آئے تو امامؑ نے فرمایا:

[1] کلمات، نغاتح الجنان۔

بھائی۔ کیا تم ان لوگوں کو کل تک کے لئے ٹال سکتے ہو، تاکہ آج کی رات ہم خدا کی عبادت کرلیں۔؟
جناب عباسؑ امام علیہ السلام کے حکم کے مطابق فوراً ہی تشریف لے گئے اور دشمن سے بہت رد و کد کے بعد شب بھر کی مہلت لے کر واپس آئے۔
جس کے بعد حضرت امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و انصار پوری رات نماز، تلاوت، دعا اور تضرع میں مشغول رہے[1]

●

لہٰذا جیسا کہ اہل تاریخ نے تصریح کی ہے،
امام علیہ السلام نے ایک شب کی مہلت اس لئے نہیں حاصل کی تھی کہ آپ کو کسی طرف سے کمک موصول ہونے کا انتظار تھا، یا اپنے اہل خاندان کو کچھ خاص وصیتیں فرمانا چاہتے تھے، بلکہ پوری رات یکسوئی کے ساتھ خالق سے راز و نیاز میں مصروف رہنے کیلئے لی تھی۔
چنانچہ تاریخ طبری اور دیگر کتابوں کے اندر یہ عبارت ہے کہ:
"آپؑ اور آپ کے اصحاب نے تمام شب اس عالم میں گزاری کہ وہ مسلسل نماز اور دعا۔۔ اور بارگاہ الٰہی میں تضرع و زاری میں مصروف تھے۔"[2]
اس جگہ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ عبادت الٰہی میں کون سی ایسی جاذبیت ہے کہ وہ امام عالی مقام، جو کسی سے کچھ مانگنے کیلئے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتے تھے، اپنے بدترین دشمن کے پاس حضرت عباس علمدار کو بھیجتے ہیں، اور حضرت عباسؑ علمدار ان لوگوں سے ایک شب کی مہلت مانگتے ہیں تاکہ امامؑ یہ شب عبادت الٰہی میں گزاریں!

[1] تاریخ ائمہ ۔ [2] تاریخ طبری۔

حقیقت یہ ہے کہ:

"عبادت انسانیت کا جوہر ہے۔

اور عبادت کا مطلب ہے:

انسان دل و جان سے، قول و عمل سے، ارادہ و فعل سے خدا کا ہو جائے۔ اطاعت کو اپنا شیوہ بنا لے اور پوری کائنات سے بے نیاز ہو کر، مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں اپنا سرِ نیاز خم کر دے۔

یہی وہ بندگی ہے جو معراجِ انسانیت ہے، جو انسان کے اندر اتصالِ کامل کی ایک منفرد نمود پیدا کرتی ہے، جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ارشادِ قدرت ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

"اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے قبل کے لوگوں کو بھی — تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

سورہ البقرہ آیت ۲۱

اس آیت میں پوری انسانیت کو عمومی دعوت ہے کہ:

"اے لوگو عبادت کرو... اس اللہ کی، اس پروردگار کی جو ایک ہے

اور صرف وہی مستحق عبادت ہے، اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔

اس عبادت کا منشا اور مقصد یہ ہے کہ تم پرہیزگار اور متقی بن جاؤ۔ تم انسانوں کے اس پسندیدہ گروہ میں شامل ہو جاؤ جو متقین اور خدا کی عبادت کرنے والوں کا گروہ ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خالقِ کائنات کی ربوبیت کا حق ادا کیا اور اس یکتا و تنہا، خالق و رازق پروردگار کی عبادت کسی شائبہ کے بغیر کی۔"[1]

قرآن مجید کی سیکڑوں آیتوں میں، بنی نوعِ انسان کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ پوری کائنات سے بے نیاز ہو کر صرف خدائے واحد کی بارگاہ میں سربسجود ہوں۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

(اور خدا ہی کی عبادت کرو، اور کسی شے کو اس کا شریک نہ بناؤ)

(سورہ آلِ عمران آیت ۳۶)

اور اس کے خالق ہونے کا تقاضہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ انسان اس کی عبادت کرے۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے

[1] تفسیر فی ظلال القرآن جلد ۱ صفحہ ۵۲۔۵۳

لہٰذا اُسی کی عبادت کرو۔

(سورہ الانعام آیت ۱۰۲)

بعض آیتوں میں عبادت ہی کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ، ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

(اور یہ کہ میری ہی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے)

(سورہ یٰسین آیت ۶۱)

اور انبیائے کرام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ، ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے، تو سب کے سب اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے)

(سورہ آلِ عمران آیت ۵۱)

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ:

قدرت کی طرف سے انسان کے لئے جو مقصدِ حیات معین کیا گیا ہے، وہی بنی نوعِ انسان کے لئے سب سے اچھا اور سیدھا راستہ ہے اور اسی پر چلنے والے اشخاص کے لئے کہا جائے گا کہ یہ حضرات صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔

اور خالقِ دوجہاں نے قرآن مجید میں، واضح لفظوں میں یہ اعلان فرما دیا ہے کہ:

جنوں اور انسانوں کی غرضِ خلقت عبادت ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ

(اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں)

(سورہ الذاریات آیت ۵۶)

جس کے ذیل میں بعض معاصر مفسرین نے لکھا ہے کہ:

اگرچہ مخلوقات کا ذرہ ذرہ اللہ کی بندگی میں مصروف ہے، کیونکہ اللہ سارے جہانوں کا خالق، اور اس کی ایک ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور جو پیدا کرنے والا ہے اسی کی عبادت و بندگی کرنی چاہئے ___ لیکن آیت میں صرف جنوں اور انسانوں کا ذکر، بظاہر اس لئے کیا گیا ہے کہ:

زمین پر صرف جن اور انسان ہی ایسی مخلوق ہیں جن کو یہ آزادی بخشی گئی ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کرنا چاہیں تو اپنے ارادہ و اختیار سے کریں....

دوسری جتنی بھی مخلوقات اس دنیا میں ہیں وہ اس نوع کی آزادی نہیں رکھتی ہیں، بلکہ اُن کے لئے سرے سے کوئی دائرہ اختیار ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کریں یا نہ کریں۔

بلکہ وہ سب مخلوقات، اُس کی رضا کے آگے خود بخود سرنگوں ہیں۔

البتہ ارادہ و اختیار صرف جنوں اور انسانوں کو دیا گیا ہے۔

اور یہاں ہی دونوں مخلوقات کی کجروی ہے کہ اپنے خالق کی اطاعت و عبودیت سے منہ موڑ کر، اور خالق کے سوا دوسروں کی بندگی کر کے، خود اپنی فطرت سے لڑ رہے ہیں۔

ان کو یہ جاننا چاہیئے کہ وہ خالق کے سوا کسی کی بندگی کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں، لہٰذا ان کے لئے سیدھی راہ یہ ہے کہ :
جو آزادی انہیں بخشی گئی ہے' اسے غلط استعمال نہ کریں' بلکہ آزادی کو استعمال کرتے ہوئے' خود اپنی مرضی سے صرف خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں؂۔

اور چونکہ عبادت سے انحراف' درحقیقت اپنے مقصدِ حیات سے انحراف ہے'
اس لئے یہ بات بھی واضح کردی گئی کہ :
جو لوگ پروردگارِ عالم کی عبادت سے گریز کرتے ہیں' وہ ہلاکتِ ابدی میں گرفتار ہونے والے ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ
(بیشک' جو لوگ ہماری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر داخلِ جہنم ہوں گے)

ملاحظہ فرمایئے سورۃ المومن آیت ۶۰

اور عبادت کی عظمت کیلئے یہی کافی ہے کہ :
پروردگارِ عالم کی طرف سے جتنے انبیاء و مرسلین آئے' وہ اگرچہ عصمت و طہارت کے مالک تھے' اور انتہائی جلیل القدر منزل پر فائز تھے۔
مگر ہر پیغمبر نے خود بھی زیادہ سے زیادہ عبادت کی' اور بندوں کو بھی عبادت کی طرف دعوت دی۔

؂ ۔ تفہیم القرآن

چنانچہ ارشادِ قدرت ہے،
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
(اور یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ :
اے لوگو۔ اللہ کی عبادت کرو)

(ملاحظہ فرمایئے : سورہ النحل آیت ۳۶)

اِس آیت نے اس بات کی تصریح کردی کہ :
تمام اُمتوں میں مبعوث ہونے والے پیغمبروں کا پیغام یہ تھا کہ :
" اے بندگانِ خدا۔ خدا کی بندگی کرو۔
بالفاظِ دیگر
تم کے بندے ہو' اس کی بندگی کا اعتراف بھی کرو۔ اس کے آگے سر بھی جھکاؤ۔

کیونکہ
زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

۹ محرم کو فوجِ یزیدی نے ہر طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے اہلِ خاندان اور ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا تھا، اور رات ہی کو جنگ شروع ہو جانے کے آثار بالکل نمایاں ہو چکے تھے تو امام علیہ السلام نے قمر بنی ہاشم حضرت عباس علمدار کو بھیج کر ایک شب مزید عبادتِ پروردگار کی مہلت حاصل کی۔

اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے ان پر ایک بار پھر یہ حقیقت واضح کر دی کہ جو شخص بھی اپنی جان کو عزیز سمجھتا ہو وہ رات کی تاریکی میں یہاں سے روانہ ہو جائے کیونکہ ان دشمنوں کو صرف میرے سر کی طلب ہے۔

چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

- وَالْآنَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مَقْصَدٌ إِلَّا قَتْلِي وَقَتْلَ مَنْ يُجَاهِدُ بَيْنَ يَدَيَّ وَسَبْيَ حَرَمِي بَعْدَ سَلْبِهِمْ۔

وَأَخْشَى أَنَّكُمْ مَا تَعْلَمُونَ أَوْ تَسْتَحْيُونَ — وَالْخُدْعُ عِنْدَ أَهْلِ الْبَيْتِ مُحَرَّمٌ۔

فَمَنْ كَرِهَ مِنْكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَنْصَرِفْ، فَاللَّيْلُ سَتِيرٌ وَالسَّبِيلُ غَيْرُ خَطِيرٍ، وَالْوَقْتُ لَيْسَ بِهَجِيرٍ۔

وَمَنْ وَاسَانَا بِنَفْسِهِ كَانَ مَعَنَا فِي الْجِنَانِ، نَجِيًّا مِنْ غَضَبِ الرَّحْمٰنِ۔

فَقَدْ قَالَ جَدِّي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ:

وَلَدِيَ الْحُسَيْنُ يُقْتَلُ بِكَرْبَلَاءَ، غَرِيبًا وَحِيدًا عَطْشَانًا فَمَنْ نَصَرَهُ فَقَدْ نَصَرَنِي وَنَصَرَ وَلَدَهُ الْقَائِمَ، وَلَوْ نَصَرَنَا بِلِسَانِهِ فَهُوَ فِي حِزْبِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

... (اب ان لوگوں کے پیشِ نظر اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں ہے کہ مجھے اور میرے ساتھ جہاد میں شرکت کرنے والوں کو قتل کر دیں اور میرے اہلِ حرم کو لوٹنے کے بعد قیدی بنالیں۔

ایسا نہ ہو کہ تم لوگوں کو (حقائق کا) علم نہ ہو، یا تم لوگ (میرا ساتھ چھوڑنے میں) شرمندگی محسوس کرتے ہو!

(یاد رکھو — ہم اہلبیتؑ کے نزدیک (کسی کو) دھوکہ دینا حرام ہے۔

لہٰذا جو شخص (یہ جان دینا) پسند نہ کرے، وہ واپس چلا جائے، رات سایہ فگن ہے، راستہ بے خطر ہے، اور وقت بھی دن کا نہیں ہے (کہ کسی کو نظر آئے کہ کون جا رہا ہے)،

البتہ جو ہماری خاطر جان کی بازی لگائے گا وہ جنت میں ہمارے ساتھ — اور غضبِ خداوندی سے محفوظ رہے گا،

میرے نانا حضرت رسولِ خدا نے فرمایا تھا:

"میرا حسینؑ کربلا کے میدان میں، عالمِ غربت و تنہائی میں پیاس کی حالت میں شہید کیا جائے گا (اس وقت جو شخص اُس کی مدد کرے گا

اُس نے درحقیقت میری مدد کی اور اُن کے فرزند قائم آلِ محمدؑ کی مدد کی۔ اور اگر زبان سے بھی اُن کی مدد و نصرت کرے تو روزِ قیامت اُن کے گروہ میں شامل ہوگا)

(حیات سید الشہداء صفحہ ۲۴۲-۲۴۳)

●

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:
شبِ عاشور امامِ عالی مقام علیہ السلام نے اپنے اعوان و انصار کے سامنے پُر فصیح و بلیغ خطبہ دیا اُس میں حمد و ثنائے پروردگار کے بعد فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَحْمَدُكَ عَلٰى اَنْ اَكْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَعَلَّمْتَنَا الْقُرْاٰنَ وَفَقَّهْتَنَا فِي الدِّيْنِ۔ وَجَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً فَاجْعَلْنَا مِنَ الشَّاكِرِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ — فَاِنِّيْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰى وَلَا خَيْرًا مِنْ اَصْحَابِيْ، وَلَا اَهْلَ بَيْتٍ اَبَرَّ وَلَا اَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ۔
فَجَزَاكُمُ اللّٰهُ عَنِّيْ خَيْرًا۔
اَلَا وَاِنِّيْ قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ فَانْطَلِقُوْا جَمِيْعًا فِيْ حِلٍّ، لَيْسَ عَلَيْكُمْ مِنِّيْ ذِمَامٌ"۔
وَهٰذَا اللَّيْلُ قَدْ غَشِيَكُمْ فَاتَّخِذُوْهُ جَمَلًا[1]
وَلْيَاْخُذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمْ بِيَدِ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ وَتَفَرَّقُوْا فِيْ سَوَادِ هٰذَا اللَّيْلِ وَذَرُوْنِيْ وَهٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَاِنَّهُمْ لَا يُرِيْدُوْنَ غَيْرِيْ[2]

---

[1] یہاں تک کی عبارت "ارشاد شیخ مفید" میں موجود ہے۔ [2] خطبہ کا آخری حصہ "ارشاد شیخ مفید" کے علاوہ دوسری کتابوں سے لیا گیا ہے دیکھئے حیات سید الشہداء

خداوندا — میں تیری حمد بجا لاتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے ذریعے عزت بخشی، قرآن کا علم عطا فرمایا اور دین میں بصیرت دی۔ ہمیں سماعت و بصارت اور قلب (کی قوت سے) نوازا، تو ہمیں شکر گزاروں میں سے قرار دے۔

(لوگو — یاد رکھو) مجھے اپنے ساتھیوں سے زیادہ باوفا اور عمدہ ساتھی (کسی کے) نظر نہیں آتے اور نہ میرے اہلِ خاندان سے زیادہ صلہ رحم کرنے والا اور نیک کوئی اور خاندان نظر آتا ہے، خداوندِ عالم سب لوگوں کو ہماری طرف سے بہترین جزائے خیر عطا کرے۔

(دیکھو) — میں نے تم لوگوں کو اجازت دے دی ہے — تم سب کو چلے جانے کی اجازت ہے میں (کسی جانے والے کی) مذمت نہیں کروں گا — رات کا پردہ چھایا ہوا ہے، اسے اپنی سواری قرار دو اور یہاں سے نکل جاؤ۔

(جاتے وقت) میرے خاندان کے لوگوں میں سے ایک ایک کو اپنے ساتھ لے جاؤ، رات کی اس تاریکی میں ادھر اُدھر منتشر ہو جاؤ، مجھے اور ان لوگوں کو چھوڑ دو کیونکہ ان (دشمنوں) کو میرے علاوہ کسی کی طلب نہیں ہے)

●

مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ:
امامِ عالی مقامؑ نے جیسے ہی خطبہ تمام کیا، سب سے پہلے قمرِ بنی ہاشم حضرت عباسؑ اٹھے اور امامؑ کی خدمت میں گزارش کی:
لِمَ نَفْعَلُ ذَالِكَ لِنَبْقٰى بَعْدَكَ، لَا اَرَانَا ذَالِكَ لِنَبْقٰى بَعْدَكَ۔

(یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں، خدا ہمیں ایسا دن کبھی نہ دکھائے۔

علامہ شریف یزدانی لکھتے ہیں:

فَقَالَ أَخُوهُ الْعَبَّاس: لَنْ نَفْعَلَ ذٰلِكَ لِنَبْقَى بَعْدَكَ.

(امام کے بھائی حضرت عباس نے عرض کیا کہ:
یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں)

(ملاحظہ فرمائیں:
کتب المعصومین جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ اور جلاء العیون علامہ مجلسی صفحہ ۴۹۱)

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے بھی لکھا ہے کہ:

بَدَأَهُمْ بِهٰذَا الْقَوْلِ الْعَبَّاسُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَاتَّبَعَهُ الْجَمَاعَةُ عَلَيْهِ فَتَكَلَّمُوا بِمِثْلِهِ وَنَحْوِهِ.

سب سے پہلے حضرت عباس بن علی علیہ السلام نے یہ بات فرمائی اور اُن کے بعد امام علیہ السلام کے سارے ساتھیوں نے اسی انداز سے (اپنی وفاداری کا) اظہار کیا)

(ارشاد شیخ مفید صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ نجف اشرف۔
مقتل عوالم ص)

فَقَالَ لَهُ إِخْوَتُهُ وَأَبْنَاؤُهُ وَبَنُو أَخِيهِ وَابْنَا عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ جَعْفَرٍ: لِمَ نَفْعَلُ ذٰلِكَ لِنَبْقَى بَعْدَكَ، لَا أَرَانَا اللّٰهُ ذٰلِكَ.

(چنانچہ امام حسین علیہ السلام کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور عبداللہ بن جعفر کے فرزندوں نے بھی کہا:

(آقا) — ہم تو یہ کبھی نہ کریں گے کہ آپ کے بعد باقی رہیں، خدا وہ ظلم وہ دن کبھی نہ دکھائے (کہ ہم آپ کے بغیر زندہ رہیں)

(مقتل عوالم ص تحفہ حسینیہ ص ۱۲۰ کتاب الصدوق جلد ۲ ص ابی المودی جلد ص)

خطبہ دینے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام اور اصحاب باوفا کو حکم دیا کہ خیموں کو ایک جگہ جمع کر کے، طنابوں کو ایک دوسرے سے پیوست کر دو، اس کے بعد خیموں کے اردگرد خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دو، تاکہ ضرورت کے وقت، اُس میں آگ روشن کر کے خیام کی حفاظت کا سامان کیا جا سکے)

(الدمعۃ الساکبہ، جلاء العیون، روضۃ الصفا، کبریت احمر وغیرہ)

صاحب کبریت احمر کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ:
حضرت عباس علیہ السلام نے شب عاشور چار قسم کے فرائض کی انجام دہی میں گذاری۔:

(۱) اپنے برادرِ محترم سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح محو عبادت ہوتے ہیں، کبھی رکوع، کبھی سجود، کبھی قیام، کبھی قعود فرماتے ہیں، کبھی دعا کیلئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں، کبھی تضرع و زاری کرتے ہیں۔

(۲) مصلائے عبادت سے اٹھ کر خیام اہلبیتؑ کے اطراف کا جائزہ لیتے ہیں، اور حفاظت خیام میں سارا انہماک صرف کر دیتے ہیں۔

(۳) حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرمان کے مطابق جو خندق خیموں کے اردگرد کھودی گئی تھی، اس میں لکڑیوں کو مرتب طور سے جمع کرتے ہیں۔

(۱)۔ اپنے بھائیوں نیز خاندانِ بنی ہاشم کو جمع کر کے فرماتے ہیں کہ:

"دیکھو۔ کل امتحان کا دن ہے تم لوگ اس طرح دلیری سے جنگ کرنا کہ دنیا حیرت زدہ رہ جائے۔ اور دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا۔"

اور چونکہ مذکورہ بالا تمام امور کو، آپ نصرتِ امام ہی کیلئے انجام دے رہے تھے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام نے عاشور کی شب، چلہ قسم کی عبادتوں میں گذاری۔

بقول شاعر

میری ہر فکر کا مقیاس نظر میں عباسؑ
میں اسی سمت میں چلتا ہوں مرا ہے قیاسؑ

ان کے ہوتے نبی زادہ کو نہ پہنچے گی گزند
کربلا میں ابوطالبؑ کی نظر ہیں عباسؑ

اُس شجاعت کے دھنی کا ہے کہاں کوئی بشر
پوچھ لو جنسِ وفا سے کہ کدھر ہیں عباسؑ

(۱)۔ کبریت احمر، علامہ محمد باقر قاینی، صفحہ ۹۱ (بحوالہ ذکر العباس)

ہزبرِ دشتِ نینوا
امیرِ لشکرِ حسینؑ

اس بات میں کسی شخص کو تامل نہیں ہو سکتا کہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام نہ صرف سرکارِ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے قوتِ بازو تھے، بلکہ وہ درحقیقت لشکرِ حسینی کی طاقت تھے، اسی لئے حمید بن مسلم نے اعتراف کیا ہے کہ:

امام حسین علیہ السلام کے تمام اصحاب و انصار شہید ہو چکے تھے لیکن جب تک حضرت عباسؑ زندہ تھے اس وقت تک یزیدی فوج میں کسی شخص کو یہ امید نہیں تھی کہ وہ امام حسینؑ کا سر قلم کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔

محدثِ خبیر شیخ محمد عباس قمی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ

قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار اپنے بھائیوں کی شہادت کے بعد، امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی۔

"آقا۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں بھی آپ کے قدموں پر اپنی جان قربان کردوں۔؟"

یہ بات سن کر امام علیہ السلام کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ شدتِ گریہ کے ساتھ فرمایا:

برادرِ من! تم تو میرے لشکر کے علمبردار ہو، اگر تم باقی نہ رہے تو درحقیقت لشکر ہی باقی نہ رہا۔

حضرت عباسؑ نے عرض کی۔ "اے آقا! دنیا کی زندگی سے سیر ہو چکا ہوں، دشمنوں کی ہرزہ سرائی سے میرا سینہ تنگ ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان منافقوں سے نبرد آزمائی کر کے اپنی جان کا نذرانہ پیش کروں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔ اچھا اگر جانا ہی چاہتے ہو، تو بچوں کے لئے پانی لانے کی کوشش کرو۔

جس کے بعد حضرت عباس علمدار شہزادی زینب سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، مشک سکینہ لی اور فرات کی طرف روانہ ہوئے۔

دشمنوں کے مدِ مقابل پہنچے تو انھیں ہر ممکن طریقے سے پند و نصیحت فرمائی۔ لیکن ان بدبختوں پر آپ کے کلام کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اُدھر خیموں سے بچوں کی "العطش ـــ العطش" کی صدا بلند ہو رہی تھی۔

حضرت عباس علمدار گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ سنبھالا، اور مشک لے کر نہر کی طرف روانہ ہوئے جہاں نہر کے کنارے چار ہزار کا لشکر مسلط تھا جس نے ہر طرف سے گھاٹ کو گھیر رکھا تھا کہ لشکرِ امامؑ سے کوئی شخص وہاں نہ پہنچ سکے۔

اس جگہ صاحب اسرار الشہادت کی یہ عبارت بھی قابلِ ذکر ہے کہ:

"چونکہ حضرت امام حسینؑ علم امامت سے جانتے تھے کہ جناب عباسؑ کی شہادت کا وقت نزدیک آ چکا ہے اس لئے جناب عباسؑ کی روانگی کے بعد امام حسینؑ بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔

حضرت عباسؑ نے محسوس کیا کہ آپ کے پیچھے کوئی رو رہا ہے اور نالہ و شیون کر رہا ہے، مڑ کر دیکھا تو امام عالی مقامؑ نے با چشم گریاں و دل سوزاں آواز دی۔

"بھائی عباس ـــ ذرا ٹھہر جاؤ ـــ تمہیں ایک بار اور جی بھر کے دیکھ لوں۔

یہ سن کر جناب عباسؑ نے بھی گریہ فرمایا۔

امام حسین بھی رونے لگے۔

اس کے بعد دونوں بھائی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے اور اس قدر روئے کہ بے ہوشی کے آثار نمایاں ہو گئے۔

پھر حضرت سے اجازت لے کر پانی کی طلب میں فرات کی طرف روانہ ہوئے۔

ملاحظہ فرمایئے،

"انوار الشہادت علامہ یزدی صفحہ ۵۰)

علامہ قزوینی نے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

(دونوں بھائی بغلگیر ہونے کے بعد) آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہانے لگے، ان کے رونے کی کیفیت ایسی تھی کہ فرشتوں کے ہاتھوں سے ضبط و تحمل کی باگ چھوٹ گئی۔

عالم ملکوت کے ذرہ ذرہ میں گویا زلزلہ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

صوامع لاہوت کے باشندے جو اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے حضرات حسنین علیہم السلام کی گہوارہ جنبانی کرنے والے، جبرئیل امین اور تمام قدسیان عالم ملکوت میں زیر و زبر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ جنوں کا جگر بھی خون ہونے لگا اور صحرا کے جانور اور فضا کے طیور گویا خاکستر ہونے لگے۔

ریاض الشہادت جلد ۲ صفحہ ۲۰ مطبوعہ ایران)

صاحب انوار الشہادۃ اور مجالس المتقین کی عبارت ہے:

رَمَقَ بطرفیہ إلی السَّمَاء وقال،

اِلٰهِیْ وَسَیِّدِیْ اُرِیْدُ اَعْتَدَّ بِعُدَّتِیْ وَاَمْلَاْ لِهٰؤُلَاءِ الْاَطْفَالِ قِرْبَةً مِنَ الْمَاءِ

(حضرت عباسؑ علمدار نے آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی:

"خداوندا — میں (آخرت کا) سامان کرنا چاہتا ہوں کہ ان بچوں کے لئے پانی کی ایک مشک بھر لوں)"۔ اس کے بعد حضرت عباسؑ علمدار جو بیشہ شجاعت کے شیر تھے، پوری قوت و شجاعت کے ساتھ آگے بڑھے، اس دوران آپ رجز پڑھتے جا رہے تھے۔

لَا اَرْهَبُ الْمَوْتَ اِذَا الْمَوْتُ زَقَا

حَتّٰی اُوَارٰی فِی الْمَصَالِیْتِ لُقًی

نَفْسِیْ لِنَفْسِ الْمُصْطَفَی الطُّهْرِ وِقًی

اِنِّیْ اَنَا الْعَبَّاسُ اَغْدُوْ بِالسِّقَا

وَلَا اَخَافُ الشَّرَّ یَوْمَ الْمُلْتَقٰی!

(جب موت چنگھاڑ رہی ہو تب بھی میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔

یہاں تک کہ میں ان لوگوں کے درمیان جو تلواریں کھینچے ہوئے ہوں ہر طرف سے ڈوب جاؤں۔

میری جان، حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پاک و پاکیزہ فرزند پر قربان (لوگو — سمجھ لو) میں عباسؑ ہوں — (بچوں کی سقائی کیلئے نکلا ہوں اور نبرد آزمائی کے دن مجھے کسی تکلیف کی پرواہ نہیں ہوتی)[1]

●

اس کے بعد آپ نے الیسا دلیرانہ حملہ کیا کہ چار ہزار کا لشکر جو فرات کے کنارے

[1]: بحار الانوار جلد ۴۵ صفحہ ۴۱

مامور تھا پسپا ہو گیا اور جیسا کہ ارباب تاریخ نے تصریح کی ہے:

حضرت عباس علمدار علیہ السلام جس طرف بھی حملہ آور ہوتے تھے شامی افواج اس طرح سے بھاگتی تھیں جیسے شیر کو دیکھ کر بھیڑ بکریاں بھاگتی ہیں:

اس جگہ ابو مخنف نے آپ کے رجز کے یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

لَا اَرْهَبُ الْمَوْتَ اِذَا الْمَوْتُ زَقَا

حَتّٰی اُوَارٰی مَیِّتًا عِنْدَ اللِّقَا

اِنِّیْ صَبُوْرٌ شَاکِرٌ لِلْمُلْتَقٰی.

وَلَا اَخَافُ طَارِقًا اِنْ طَرَقَا

بَلْ اَضْرِبُ الْهَامَ وَاَفْرِی الْمَفْرِقَا

اِنِّیْ اَنَا الْعَبَّاسُ صَعْبٌ بِاللِّقَاءِ

(جس وقت موت بلند ہو کر سروں پر آجائے تب بھی مرنے سے میں نہیں ڈرتا یہاں تک کہ بوقت جنگ موت سے ہمکنار ہو کر تنگ تک پہنچ جاؤں۔ میں لڑائی کے موقع پر بہت صبر و شکر سے کام لینے والا ہوں، اور چاہے کوئی بھی مصیبت آجائے میں اس سے نہیں گھبراتا۔

بلکہ سروں پر وار کرتا ہوں اور مانگ کی جگہ دو سرا (سر) کو چاک کر دیتا ہوں۔ میں ہی عباس ہوں جو بوقت جنگ بہت سخت ہے۔ (میری جان پاک و پاکیزہ فرزند رسول کیلئے سپر ہے)

(مقتل ابی مخنف، صفحہ ۹۲)

●

آپ رجز پڑھتے جا رہے تھے اور دشمنان خدا و رسول کو فی النار کرتے جا رہے تھے یہاں تک کہ اسی شامیوں کو واصل جہنم کر کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔

نہر کے اندر داخل ہوتے، سوکھی ہوئی مشک کو تر کرنے کے بعد اس میں پانی بھرا اور اگرچہ خود بھی تین دن سے بھوک کے پیاسے تھے، مگر چلو میں پانی لے کر دشمنوں کی طرف اچھال دیا۔ گویا بتانا چاہ رہے تھے کہ:
ہمیں مجبور نہ سمجھنا، صرف امتحان کی منزل کرنے کے لئے اور حکم امام علیہ السلام کی بنا پر ہم خاموش رہے۔
مؤرخین کی عبارت ہے:

فَرَمَی الْمَاءَ وَمَلَأَ الْقِرْبَةَ وَحَمَلَهَا عَلَی كَتِفِهِ الْاَيْمَنِ وَتَوَجَّهَ نَحْوَ الْخِيَامِ

(آپ نے چلو سے پانی پھینکنے کے بعد مشک کو پُر کیا اور اپنے داہنے کاندھے پر لٹکا کر خیام حسینی کی طرف رُخ کیا)

بقول شاعر

عباس لئے مشکیزہ جب آئے قریب علقمہ
پیاس کی قدم بوسی کیلئے نہر بھی تڑپ کر آئی!

●

کاندھے پر مشک اور ہاتھوں میں علم لئے ہوئے، آپ تیز رفتاری سے خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ جلد از جلد پیاسے بچوں تک پانی پہنچ جائے لیکن جیسے ہی دشمنوں نے یہ دیکھا کہ حضرت عباس پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ لے کر خیمہ گاہ کی طرف جا رہے ہیں، ہر طرف سے لعینوں نے آپ کو گھیر لیا، اور آپ نے تن تنہا شمشیر زنی کرتے ہوئے ان کا بھرپور مقابلہ کیا، اور پوری کوشش سے آگے بڑھتے رہے۔
اسی اثناء میں ایک ملعون نے کمین گاہ سے آپ کے پیچھے چھپ کر آپ کے داہنے شانے پر ایسا وار کیا کہ آپ کا ہاتھ قلم ہو گیا۔

حضرت عباس نے فوراً مشکیزہ بائیں کندھے پر رکھا اور خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت آپ کی زبان پر اشعار تھے۔

وَاللّٰهِ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي
اِنِّي اُحَامِي اَبَدًا عَنْ دِيْنِي
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِيْنِ
نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

(تم لوگوں نے اگرچہ میرا داہنا ہاتھ کاٹ دیا ہے۔ مگر خدا کی قسم میں ہمیشہ اپنے دین کی حمایت کرتا رہوں گا۔
اور اپنے صادق الیقین امام کی حمایت و نصرت میں رہوں گا، جو پیغمبر اکرم کے پاکیزہ اور امانت دار فرزند ہیں)

●

والد علام نے اس موقع کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے:
"وہاں اس نڈر کا جہاد کیا کہ بجلی کی طرح اپنی فوج پر ٹوٹ پڑتے داہنی طرف کی فوج کو بائیں طرف، اور بائیں طرف کی فوج کو دائیں طرف الٹتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے۔ پورا لشکر داہنے بائیں اس طرح بھاگا جس طرح شیر کے حملہ کرنے سے بھیڑ بکریاں، بدحواس ہو کر بھاگتی ہیں۔
ایک شخص نے درخت کی آڑ میں چھپ کر اس نڈر کی تلوار ماری کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا لیکن آپ نے فوراً مشک بائیں کاندھے پر رکھ لی اور تلوار بھی اسی ہاتھ میں لے کر دشمنوں کو مارتے اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ پھر ایک ملعون نے (کمین گاہ میں چھپ کر آپ کے) بائیں بازو پر وار کر دیا (اور آپ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا) تو آپ نے علم کو سینے سے لپٹا لیا، مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا

اور رکاب سے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے تیز رفتاری سے چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے
چھپ کے ایسا تیر مارا جس سے مشک چھد گئی سارا پانی بہہ گیا۔
اسی دوران ایک اور تیر آپ کے سینے پر لگا اور ایک بھاری گرز آپ کے سر اقدس
پر پڑا جس کے نتیجے میں آپ زمین پر تشریف لائے۔[1]
جناب شیخ عباس قمی نے لکھا ہے کہ:
اس وقت آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے:
يَا نَفْسُ لَا تَخْشَى مِنَ الْكُفَّارِ
وَأَبْشِرِي بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ
مَعَ النَّبِيِّ السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ
قَدْ قَطَعُوا بِبَغْيِهِمْ يَسَارِي
فَأَصْلِهِمْ يَا رَبِّ حَرَّ النَّارِ
(اے نفس اہل کفر و عناد سے نہ ڈرنا۔
تجھے خداوند عالم کی رحمت کی بشارت ہو کر اس دنیا سے جانے کے
بعد تم پیغمبر اکرم کے جوار میں ہو گے جو سید و سردار اور کل کے مختار
ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی سرکشی کی وجہ سے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔
اے پالنے والے۔ انہیں واصلِ جہنم فرما)[2]

●

حضرت عباسؑ نے امام عالی مقام کو آواز دی۔
اے آقا۔ اس غلام نے بھی اپنی جان نثار کی۔ اے بھائی

[1]: تاریخ امت، بحوالہ الامامہ والسیاسہ۔
[2]: بحار الانوار جلد ۴۵، ۴۰، ۴۱ (بحوالہ منتہی الآمال جلد ۱، صفحہ ۴۵۴)

میری خبر لیجیے۔
صاحب مناقب کے الفاظ ہیں کہ:
حضرت عباس نے فریاد کی:
يَا أَخَاهُ أَدْرِكْ أَخَاكَ (اے بھائی، بھائی کی خبر لیجیے)[3]
بقول شاعر
عباس پکارے کہ خبر لیجیے آکر
مولا غلام آپ کا نزدیک قضا ہے

●

صاحب تحفہ حسینیہ نے لکھا ہے کہ: فَنَادَى الْحُسَيْنَ
حضرت عباس کی فریاد سن کر امام عالی مقام کی چیخ نکل گئی۔
بے ساختہ فرمایا۔
اَلْآنَ انْكَسَرَ ظَهْرِي وَقَلَّتْ حِيلَتِي
(اب میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ و تدبیر مسدود ہو گئی)
اور صاحب روضۃ الشہداء کے الفاظ یہ ہیں:
آہی از امام حسین برآمد کہ زمین کربلا از حقیقت آں
بلرزہ درآمد۔
(حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایسی آہ سرد کھینچی کہ سرزمین
کربلا تھر تھرا اٹھی)[4]

●

امام عالی مقامؑ جب جناب عباسؑ کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ آپ خاک[5]

[3]: مناقب ابن شہر آشوب، [4]: روضۃ الشہداء صفحہ ۳۴۲، [5]: تحریف کی ترمیم کے ساتھ۔

میں ڈوبے ہوئے ہیں، آپ کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں، سینے میں تیر پیوست ہیں۔ سر پر گرزِ گراں بار لگنے سے سر شگافتہ ہو چکا ہے۔

امام علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو بے ساختہ فرمایا:

یا اخاہ واعباساہ وامہجۃ قلباہ وقرۃ عیناہ واقلۃ ناصراہ لیعز علی فراقک۔

(ہائے بھائی۔ ہائے عباسؑ۔ ہائے میرے قلب کے سکون۔ ہائے میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔ ہائے بے ناصر و مددگار۔ تمہاری جدائی میرے لئے بہت سخت ہے)۔ اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

کسروا بقتلک ظہر سبط محمد

وبکسرہ انکسرت عری الاسلام

قطعوا بقطع یدیک ایدی السبط

وانقطعت بہ ایدی النبی السامی۔

(اے عباسؑ) دشمنوں نے تمہیں قتل کر کے درحقیقت نواسۂ رسولؐ کی کمر توڑ دی، اور ان کی کمر ٹوٹنے سے اسلام کی قوت ٹوٹ گئی۔

ان لوگوں نے تمہارے ہاتھوں کو کاٹ کر درحقیقت سبط پیغمبر کے ہاتھوں کو کاٹ دیا۔ اور اس کے کٹنے سے نبی اکرم کے ہاتھ کٹ گئے [1]۔

ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب عباسؑ کو زخمی حالت میں اٹھا کر خیمہ میں لے جانا چاہا، مگر حضرت عباسؑ نے گذارش کی:

---

[1] روضۃ الشہداء۔ تحفہ حسینیہ (بحوالہ ذکر العباس) ۲۹۴، ۲۹۵۔

یا اخی۔ بحق جدک رسول اللہ علیک ان لا تحملنی ودعنی فی مکانی ہذا لانی مستحیی من ابنتک سکینۃ۔

(اے بھائی۔ آپ کو نانا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کا واسطہ کہ مجھے نہ اٹھایئے بلکہ اسی جگہ رہنے دیجئے کیونکہ میں آپ کی بیٹی سکینہ سے شرمندہ ہوں)

ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ اسرار الشہادت مطبوعہ ایران

بعض مورخوں نے کچھ اور وصیتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جب جناب عباسؑ وصیت کر چکے اور عازم سفر آخرت ہوئے تو امام عالی مقام نے انہیں مخاطب کر کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے۔

اخی یا نور عینی یا شقیقی

فلی قد کنت کالرکن الوثیق

ایا ابن ابی نصحت اخاک حتی

سقاک اللہ کاسا من رحیق

ایا قمرا کنت عونی

علی کل النوائب فی المضیق

فبعدک لا تطیب لنا حیاۃ

سنجمع فی الغداۃ علی الحقیق

الا للہ شکوای وصبری

وما القاہ من ظما وضیق

(میرے بھائی۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، اے میرے

قوتِ بازو! تم میرے لئے ایک رکنِ وثیق (لائقِ اعتماد ستون) کی حیثیت رکھتے تھے۔

اے برادر۔ تم نے اپنے بھائی کے ساتھ ساری زندگی اخلاص برتا۔

یہاں تک کہ تم درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور خداوندِ عالم نے تمہیں جامِ کوثر سے سیراب کیا۔

اے چمکتے ہوئے چاند۔ تم ہر قسم کے مصائب اور تنگ و ترش حالات میں میرے معین و مددگار رہے۔

اب تمہارے بعد زندگی میں کوئی خوبی باقی نہ رہی۔ لیکن عنقریب کل ہی ہم لوگ لازمی طور پر (بارگاہِ احدیت میں) جمع ہو جائیں گے۔

خدا کی بارگاہ میں ان دشمنانِ دین کی شکایت بھی کرتا ہوں اور تمہاری جدائی پر صبر بھی، اور جن مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کر رہا ہوں اسکے لئے بھی اس کی بارگاہ میں فریاد ہے۔

(ملاحظہ فرمائیے: اسرار الشہادۃ)

دریائے علومِ آلِ محمدؐ کے شناور حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ:

قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ نے شامی افواج کو مخاطب کر کے فرمایا:

تَعَدَّيْتُمْ يَا شَرَّ قَوْمٍ بِبَغْيِكُمْ
وَخَالَفْتُمُوا دِينَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

أَمَا كَانَ خَيْرُ الرُّسُلِ وَصَّاكُمْ بِنَا
أَمَا نَحْنُ مِنْ نَسْلِ النَّبِيِّ الْمُسَدَّدِ

أَمَا كَانَتِ الزَّهْرَاءُ أُمِّي دُونَكُمْ
أَمَا كَانَ مِنْ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ أَحْمَدُ

لُعِنْتُمْ وَأُخْزِيتُمْ بِمَا قَدْ جَنَيْتُمْ
فَسَوْفَ تُلَاقُوا حَرَّ نَارٍ تَوَقَّدُ

اے بدترین قوم۔

تم لوگوں نے اپنی سرکشی کی بنا پر ہم پر تعدی کی۔ اور حضرت محمد (مصطفیٰ) کے دین کی مخالفت کی۔

کیا وہ (ذاتِ پیغمبر) جو تمام مرسلین میں سب سے افضل تھے انہوں نے ہمارے بارے میں تم لوگوں کو وصیت نہیں کی تھی؟۔ اور کیا ہم لوگ (ان ہی) پیغمبر کی اولاد نہیں ہیں، جن کو تائیدِ الٰہی حاصل تھی؟۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ حضرت (فاطمہ) زہرا میری مادرِ گرامی تھیں نہ کہ تم میں سے کسی کی!!... اور کیا وہ کائنات کی سب سے بہتر ہستی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰؐ کی بیٹی نہیں تھیں۔؟

تم لوگوں پر لعنت ہو۔ اور ان جرائم کے جو تم لوگ مرتکب ہوئے ان کی بنا پر ذلیل و خوار ہو گے اور پھر عنقریب (دنیا سے جانے کے بعد) آتشِ جہنم میں جھونکے جاؤ گے جس کے شعلے بہت بلند ہیں)۔ [1]

[1] (بحار الانوار جلد ۴۵، صفحہ نمبر ۴۱ (بحوالہ منتہی الآمال جلد اول))

ائمۂ طاہرینؑ کے نزدیک آپؑ کا مرتبہ

قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار علیہ السلام،

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی تمناؤں کا مرکز بن کر دنیا میں تشریف لائے۔

جوانانِ جنت کے سرداروں، پیغمبرِ اکرم کے نواسوں اور سیدۃ کے دلبندوں کے ساتھ پروان چڑھے۔

اپنے پدرِ بزرگوار کے ساتھ جنگِ صفین میں شرکت فرمائی۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ موصل و مدائن کا سفر اختیار کیا۔

اور جب ۲۸ رجب سنہ ۶۰ ہجری کو سرکار سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ منورہ سے وہ سفر اختیار کیا جس کی انتہا کربلا کے معرکۂ کارزار پر ہوئی۔

تو اس سفر میں حضرت عباس علمدار قدم بقدم، اپنے آقا، بھائی، حجتِ خدا اور امامِ وقت کے اس طرح ساتھ تھے جیسے پروانہ شمع کا طواف کرے۔

اور جب دسویں محرم سنہ ۶۱ ہجری کو معرکۂ کارزار گرم ہوا تو آپؑ نے شجاعت و وفاداری کی ایسی تاریخ رقم کی جو قیامت تک یاد رکھی جائے گی۔ بقول شاعرؔ

دل کو ہے ہر اک نفس وابستگی عباسؑ سے
گلشنِ ایماں میں ہے، اک تازگی عباسؑ سے

زندگی عباسؑ کی ہے وقفِ شاہِ مشرقین
سیکھ لو اے حق پرستو تم بھی بندگی عباسؑ سے

حضرت عباسؑ علمدار نے کچھ ایسی شان سے اپنے آقا کی اطاعت کی۔

جسے ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام نے برابر خراجِ تحسین پیش کیا۔

ہم صرف نمونہ کے طور پر، چند عبارتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں؛

ہمارے نہایت بلند مرتبہ عالمِ دین، اور اپنے وقت کے مرجعِ تقلید۔

جنہیں ان کی راست گفتاری اور کلام کی صداقت کی بنا پر اپنوں اور غیروں نے "صدوق" (بہت زیادہ سچا) کے نام سے یاد کیا

اپنی کتاب "الخصال" میں لکھتے ہیں کہ،

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ عَمِّيَ الْعَبَّاسَ، فَلَقَدْ آثَرَ وَأَبْلَى وَفَدَى أَخَاهُ بِنَفْسِهِ حَتَّى قُطِعَتْ يَدَاهُ فَأَبْدَلَهُ اللّٰهُ بِجَنَاحَيْنِ يَطِيرُ بِهِمَا مَعَ الْمَلَائِكَةِ فِي الْجَنَّةِ كَمَا جَعَلَ لِجَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ۔

وَإِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مَنْزِلَةً يَغْبِطُهُ عَلَيْهَا جَمِيعُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(خدا کی رحمت ہو میرے چچا عباسؑ پر۔

انہوں نے قربانی پیش کرنے میں پورا ایثار کیا، امتحان گاہ میں کامیابی حاصل کی، اور اپنی جان اپنے بھائی پر فدا کی۔

یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تو خداوندِ عالم

اُن کے عوض انھیں دو بازو عطا کیے، جن کے ذریعے وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔

جیسا کہ جناب جعفر طیار ابن ابی طالب کو عطا کیے گئے۔

اور (میرے عم محترم) عباس کا مرتبہ خداوند عالم کے نزدیک (اس قدر بلند ہے کہ قیامت کے دن تمام شہداء اُن پر رشک کریں گے[1]

امام ششم حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے 'قمرِ بنی ہاشم حضرت علمدار' کیلئے ارشاد فرمایا:

سَلَامُ اللّٰهِ وَ سَلَامُ مَلَائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَ أَنْبِيَائِهِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَ جَمِيْعِ الشُّهَدَاءِ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ، وَ الزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ فِيْمَا تَغْتَدِيْ وَ تَرُوْحُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(خدا کا سلام۔

خدا کے مقرب بارگاہ فرشتوں کا سلام۔

اُس کے انبیائے مرسلین کا سلام۔

اللہ کے تمام صالح بندوں کا سلام۔

تمام شہداء اور صدیقین کا سلام۔

اے امیر المومنینؑ کے فرزند — ہر صبح و شام، آپ پر طیبات پاک و پاکیزہ درود و سلام نازل ہوتا رہے)۔

[1]۔ ملاحظہ فرمایئے: خصال شیخ صدوق علیہ الرحمۃ جلد ۱، صفحہ ۳۵

مزید فرمایا:

أَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسْلِيْمِ وَ التَّصْدِيْقِ وَ الْوَفَاءِ وَ النَّصِيْحَةِ لِخَلَفِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ الْمُرْسَلِ وَ السِّبْطِ الْمُنْتَجَبِ وَ الدَّلِيْلِ الْعَالِمِ وَ الْوَصِيِّ الْمُبَلِّغِ وَ الْمَظْلُوْمِ الْمُهْتَضَمِ۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ:

آپ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین، منتخب سبطِ پیغمبر، عالم رہنما، وصی مبلغ، اور مظلوم و ستم رسیدہ امام کے (سامنے) سر تسلیم خم رکھا، اُن کی تصدیق کی، ان کے ساتھ وفا کی، اور اخلاص برتا)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے یہ جملے بھی ملاحظہ فرمایئے، جو آپ نے قمرِ بنی ہاشم حضرت عباس علمدار کو مخاطب کر کے فرمائے:

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَالَغْتَ فِي النَّصِيْحَةِ وَ أَعْطَيْتَ غَايَةَ الْمَجْهُوْدِ فَبَعَثَكَ اللّٰهُ فِي الشُّهَدَاءِ، وَ جَعَلَ رُوْحَكَ مَعَ أَرْوَاحِ السُّعَدَاءِ، وَ أَعْطَاكَ مِنْ جِنَانِهِ أَفْسَحَهَا مَنْزِلًا وَ أَفْضَلَهَا غُرَفًا وَ رَفَعَ ذِكْرَكَ فِي عِلِّيِّيْنَ وَ حَشَرَكَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ وَ حَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا

(میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے انتہائی اخلاص سے کام لیا، اور آخری کوششیں بھی (نصرت امامؑ میں) صرف کر دیں — خداوند عالم آپ کو شہدا میں مبعوث کرے، اور آپ کی روح کو ارواح سعدا کے ساتھ رکھے — آپ کو جنت کے)

باغات میں وسیع ترین منزل اور افضل ترین غرفہ عطا کرے
آپ کے ذکر کو بلند و بالا لوگوں کے ذکر میں رفعت عطا کرے
آپ کو پیغمبروں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ روزِ حشر اٹھائے
اور یہ سب بہترین ساتھی ہیں۔[1]

آخر میں ہم اپنے زمانے کے امام، حجتِ خدا، الحکمۃ زمین و آسمان، صاحب العصر والزمان حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ایک فرمانِ مقدس کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔
زیارتِ ناحیہ میں آپ نے فرمایا ہے:
اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِی الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ بْنِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُوَاسِیْ
اَخَاہُ بِنَفْسِہٖ۔
حضرت ابوالفضل العباس فرزندِ امیر المومنین علیہ السلام پر سلام
جنہوں نے اپنی جان اپنے بھائی کی غمگساری میں (قربان کردی)
(ملاحظہ فرمائیے:
شفاء الصدور شرح زیارت عاشورہ)

اے بلبلِ سکینہ بجز گریہ و پیہم بار
سقائے سکینہ مرے عباس علمدار

---

[1] :- کلیات مفاتیح الجنان، صفحہ ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶۔

علمدارِ کربلا
مولا عباسؑ
کے معجزات

تحقیق و پیشکش
عالیہ ایوب

عصمۃ پبلیکیشنز
پی۔او باکس نمبر۔ 18168 کراچی 74700 پاکستان

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہؑ

پاکستان